خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا

"اے نبی! اُن (مومنوں) کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کر اُن کے ظاہر و باطن کو پاک صاف کیجیے۔ (التوبہ: ۱۰۳)"

زکوٰۃ

معنی و مفہوم، اہمیت، فضائل و مسائل

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

مکتبہ نعیمیہ

دار العلوم نعیمیہ بلاک 15 فیڈرل بی ایریا، کراچی

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا

”(اے نبی!) آپ (مومنوں) کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے کر اُن کے ظاہر و باطن کو پاک صاف کیجیے“ (التوبہ: ۱۰۳)

زکوٰۃ

معنی و مفہوم، اہمیت، فضائل و مسائل

پروفیسر مفتی مُنیب الرّحمٰن

مکتبہ نعیمیہ

دار العلوم نعیمیہ بلاک 15 فیڈرل 'بی' ایریا، کراچی

نام کتاب	:	زکوٰۃ معنی و مفہوم، فضائل و مسائل
مصنف	:	پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن چیرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان صدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
کمپوزنگ	:	مولانا یاسر رحمٰن
اشاعتِ اول	:	1100
قیمت	:	200 روپے
پرنٹنگ	:	الشفیع پرنٹرز (پاکستان چوک، کراچی)

پبلشر

مکتبہ نعیمیہ

دارالعلوم نعیمیہ بلاک 15 فیڈرل 'بی' ایریا، کراچی

021-36314508 - 36324236

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین

سیدنا محمد وّعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین

ابتدائے نگارش

زکوٰۃ کے موضوع پر اردو میں ایک جامع کتاب کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری کتبِ فتاویٰ ہر موضوع پر نہایت جامع ہیں اور ہم اُس علمی ذخیرے میں کسی اضافے کا دعویٰ نہیں کررہے، بلکہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے، انہی اکابر کی خوشہ چینی ہے۔ اگر کہیں کوئی کمی یا ابہام رہ گیا ہو، تو آپ اُسے ہماری کوتاہ فہمی اور مطالعے کی کمی پر محمول کرسکتے ہیں یا فروگزاشت قرار دے سکتے ہیں۔

جو مسئلہ ہمیشہ درپیش رہتا ہے، وہ نئے پیش آنے والے مسائل کی متفقہ و مسلّمہ اصولوں اور جزئیات (Constituents) پر تطبیق (Application) ہے اور یہ ہمیشہ ایک جاری رہنے والا عمل ہے۔

اسی لئے ہم نے اباحتِ کلی کے نظریئے کے حامل دانشوروں کے اس الزام کا ہمیشہ رد کیا ہے کہ اجتہاد کا سلسلہ موقوف ہوگیا ہے، فقہِ اسلامی پر صدیوں سے جمود (Deadlock) طاری ہے، علماء لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں، انہیں اپنے عہد کے کلس، عصرِ حاضر کے تقاضوں اور سیاق وسباق (Context) کا صحیح ادراک ہی نہیں ہے۔ ہماری نظر میں عدالتِ عالیہ یا عدالتِ عظمیٰ کا ہر فیصلہ (Judgment) ایک اجتہاد ہوتا ہے۔ اُن کے اجتہاد کا ماخذ دستور، قانون اور عدالتی نظائر (Judicial Precedents) ہوتے ہیں، کبھی آئین وقانون کی نئی تعبیرات (Interpretations) وتشریحات کرنی پڑتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمارے مآخذ کتاب وسنت، اجماعِ امت، آثارِ صحابہ وتابعین، اجتہاداتِ ائمۂ مذاہب، مجتہدین فی المذہب اور اصحابِ ترجیح کے اقوال ہوتے ہیں۔ ان کے دائرے میں رہتے ہوئے ہم مسائلِ جدیدہ کا حل تلاش کرتے ہیں، اِس میں ہماری رائے صَواب (Right,Correct) بھی ہوسکتی ہے اور خطا کا احتمال بھی رہتا ہے۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ اپنے عہد کے بڑے فقہاءِ کرام اور اہلِ فتویٰ کی رہنمائی کی ضرورت رہتی ہے، اُن کی مخلصانہ اور ناقدانہ گرفت بھی ہمارے لئے حق وصَواب کو پانے کا وسیلہ اور ذریعہ بن سکتی ہے۔ میں نے اس کتاب کے مُسَوّدہ (Draft) کو مُبَیَّضَہ (Fair Copy, Final Draft) کے مرحلے تک پہنچنے سے پہلے اپنے ثقہ مفتیانِ کرام مفتی محمد وسیم اختر المدنی صاحب،

مفتی خالد کمال صاحب، مفتی احمد علی سعیدی صاحب اور مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی صاحب زید مجدہم کو بھی نظرِ ثانی کے لئے پیش کیا اور اُن کے مشوروں اور اصلاحی نِکات سے استفادہ کیا ۔ میرے معاون مفتی عبدالرزاق نقشبندی کی خدمات میرے ہر کام میں شامل رہتی ہیں ۔ بعض مسائل پر ہمیں عہدِ حاضر کے فقہاءِ کرام کی تائیدی یا راجح دلائل پر مبنی اختلافی آراء کا انتظار ہے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں، جو ایک ماہ کے بعد ہی متوقع ہے، ان مسائل کو زیادہ بہتر یا متفقہ حیثیت میں پیش کیا جا سکے۔ میری عاجزانہ دعا ہے اللہ جل شانہٗ اپنے حبیبِ کریم رحمۃ للعلمین ﷺ کے طفیل میری اس عاجزانہ کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و ماجور فرمائے اور میرے ، میرے والدینِ کریمین اور اساتذۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔

خوشہ چینِ اہلِ علم

منیب الرحمٰن عفا اللہ تعالیٰ عنہ

زکوٰۃ کی حکمت

توحید و رسالت کی شہادت اور نماز کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا بنیادی رکن ہے۔ یہ خالص مالی عبادت ہے جو تمام اَنبیائے کرام اور رُسُلِ عِظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کا لازمی جزو رہی ہے۔ جس طرح انسان کو جسمانی اَمراض اور عوارِض لاحق ہوتے ہیں، اسی طرح رُوحانی اور اَخلاقی اَمراض بھی لاحق ہوتے ہیں۔ اِن میں سے بہت نمایاں اَخلاقی بیماری، مال کی مَحبت کا غلَبہ اور اس میں بے حد اضافے کی خواہش ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ○ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ○

ترجمہ: ''تمہیں زیادہ سے زیادہ مال (جمع کرنے) کی خواہش نے (آخرت سے) غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ گئے، (التکاثر: ۲۔۱)''۔

اس کے نتیجے میں انسان کے دل میں تکبر، حرص، بخل، ہوَس اور خود غرضی جیسی حقیر صفات پیدا ہوتی ہیں۔ عربی میں مال کو مال کہتے ہی اس لئے ہیں کہ اس کی طرف اِنسان کا دل بہت جلد مائل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے فرمایا: اِنَّمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ط

ترجمہ: ''تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں، (التغابن: ۱۵)''۔

ان اخلاقی امراض کے ازالے کے لئے اللہ جل شانہٗ نے زکوٰۃ کی مالی عبادت فرض کی ہے، چنانچہ فرمایا: خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا۔

ترجمہ: ''(اے رسول مکرم ﷺ) آپ مومنوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) لیجئے تاکہ اس کے ذریعے آپ ان کے ظاہر و باطن کو (حرص اور بُخل سے) پاک کریں، (توبہ: ۱۰۳)''۔

دوسرے مقام پر فرمایا: وَسَيُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَى○ الَّذِيۡ يُؤۡتِيۡ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى○

ترجمہ: ''اور آتش دوزخ سے وہ نہایت متقی شخص دور رکھا جائے گا، جو اپنا مال اس لئے (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اس کا قلب) پاک ہو جائے، (اللیل: ۱۷۔۱۸)''۔

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک مال کی حیثیت:

فطری طور پر اِنسان مال و دولت کا حریص واقع ہوا ہے اور مال حاصل کرنے کی دُھن میں سارا وقت مصروفِ عمل

رہتا ہے، نئے نئے منصوبے تیار کرتا ہے، ذرائع اور وسائل کی دستیابی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اس کے لئے بعض اوقات وہ شرعی اور اخلاقی حدود کو بھی پامال کر دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان میں دنیاوی زندگی کی ناپائیداری کا احساس دلانے اور آخرت کی فکر کے لئے انسانوں کی ذہن سازی پر توجہ دی گئی ہے۔

اِسلام دنیا اور متاعِ دنیا کی طرف رغبت کی نفی نہیں کرتا، کیونکہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ O

ترجمہ: ''لوگوں کے لئے عورتوں (بیویوں)، بیٹوں، سونے اور چاندی کے خزانوں، نشان زدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتی باڑی کی خواہشات کی محبت کو (اُن کے دلوں میں) آراستہ کر دیا گیا ہے، یہ دنیا کی زندگی کا سازوسامان ہے اور اللہ کے پاس بہترین ٹھکانا ہے، (آل عمران: 14)''۔

جب قرآن نازل ہو رہا تھا تو اُس وقت کے پسندیدہ مال ومتاع میں اعلیٰ نسل کے گھوڑے، مویشی اور کھیتی باڑی بھی شامل تھی، اس لئے اِن چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ یہ تمام چیزیں ہر دور میں انسان کو محبوب رہی ہیں، البتہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق ترجیحات میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں کے مقابلے میں آخرت کی نعمتوں کو پسندیدہ قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ O

ترجمہ: ''(اے رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں ان سب چیزوں سے بہتر چیز کے بارے میں نہ بتاؤں، جو اہلِ تقویٰ کے لئے اُن کے رب کے پاس (موجود) ہے، وہ ایسے باغات ہیں، جن کے نیچے ہمیشہ دریا جاری رہتے ہیں، اِن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور (اُن کے لئے) پاکیزہ بیویاں ہیں اور (سب سے بڑھ کر) اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے، (آل عمران: 15)''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا O

ترجمہ: ''مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لئے بہتر ہیں اور (آخرت میں کامیابی) اُمید کے لئے بہت اچھی (الکھف: 46)''۔ اِس آیت میں بھی

اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں کے مقابل آخرت کی نعمتوں کو افضل فرمایا ہے۔
قرآن مجید میں جہاں مال جمع کرنے کی مذمت فرمائی گئی ہے، یہ اُس مال کے بارے میں ہے، جس میں سے زکوٰۃ نہ دی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُم بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَO
ترجمہ: ''اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو (اے رسول!) آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا، (اور اُن سے کہا جائے گا) یہ وہ مال ہے جسے تم نے اپنے لئے (بڑی چاہت سے) جمع کر رکھا تھا، تو (اب) اپنے ہی جمع کئے ہوئے مال کا مزہ چکھو، (توبہ 35-34)''۔

کنز کا معنیٰ:

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ کنز کا معنیٰ ہے: ''مال کو اوپر تلے رکھنا، مال جمع کر کے اُس کی حفاظت کرنا''، خزانے کو کنز کہتے ہیں۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال جمع کرنے اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی مذمت فرمائی ہے، (المفردات، جلد 2، ص 70)''۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ: ﴿وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ﴾ قَالَ: کَبُرَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: اَنَا اُفَرِّجُ عَنْکُمْ، فَانْطَلَقَ، فَقَالَ: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! اِنَّہٗ کَبُرَ عَلٰی اَصْحَابِکَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَفْرِضِ الزَّکَاۃَ اِلَّا لِیُطَیِّبَ مَا بَقِیَ مِنْ اَمْوَالِکُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِیْثَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ بَعْدَکُمْ،

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی: (وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ، التوبہ: 34) تو مسلمانوں پر یہ آیت شاق گزری، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: چلو میں تمہارے لئے اس معاملہ کو کشادہ کراتا ہوں، پھر اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کے اصحاب پر یہ آیت بہت شاق گزری ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ

نے زکوۃ صرف اس لئے فرض کی ہے کہ تمہارا باقی مال پاکیزہ ہو جائے اور وراثت فرض کی ہے تا کہ مال تمہارے بعد والوں کے لئے ہو، (سُنن ابوداؤد: 1661)"۔

(۲) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَلْبِسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ،فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَكَنْزٌ هُوَ؟، فَقَالَ: مَابَلَغَ أَنْ تُؤَدِّى زَكَاتَهُ فَزَكِّى فَلَيْسَ بِكَنْزٍ۔

ترجمہ:" حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنتی تھی، میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ ! کیا یہ کنز (یعنی ایسا مال ہے جس پر آگ کے عذاب کی وعید ہے) ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: جو مال زکوۃ کی حد تک پہنچ گیا اور اس کی زکوۃ ادا کردی گئی، وہ کنز نہیں ہے، (سُنن ابو داؤد، رقم الحدیث: 1559)"۔

انسان حرص مال اور ہوسِ زر میں مال جمع کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی حکمت سے انسان کو یہ باور کرایا کہ جو جمع کرے گا، حساب کتاب وہ دے گا اور اس مال پر عیش وعشرت دوسرے لوگ کریں گے۔

شرعی اعتبار سے مال کی تعریف:

ڈاکٹر وھبہ الزُّحیلی لکھتے ہیں:

ترجمہ:" لغت میں مال ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جسے ذخیرہ کیا جا سکے اور انسان اُسے عملاً جمع کرے، خواہ وہ عین (Assets,Goods) ہو، جیسے سونا، چاندی، حیوان، نباتات وغیرہ یا اُس سے حاصل ہونے والی منفعت (Usufruct) یا بعض چیزوں کے منافع جیسے سوار ہونا یا رہائش وغیرہ۔ اور جس چیز کو انسان عملاً جمع نہ کر سکے وہ مال نہیں ہے، جیسے ہوا میں پرندہ، دریا میں مچھلی، دور دراز جنگلات میں درخت اور زمین میں پوشیدہ (Hiden) معدنیات (Minerals) وغیرہ"۔

فقہِ حنفی میں مال کی تعریف:

"جس چیز کو حاصل کرنا اور ذخیرہ کرنا اور اُس سے فائدہ اُٹھانا ممکن ہو"۔ اس تعریف کی رُو سے کسی چیز کے مال ہونے کے لئے دو اُمور ضروری ہیں:

(۱) اُس کا جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔ پس جن چیزوں کو ذخیرہ کرنا ممکن نہیں، وہ مال نہیں ہے، جیسے: اُمورِ معنویہ مثلاً علم، صحت، شرف اور ذہانت وغیرہ یا جن پر کنٹرول ممکن نہ ہو، جیسے کھلی ہوا، سورج کی حرارت اور چاند

کی روشنی۔

(۲) اُس سے عادتاً نفع اُٹھانا ممکن ہو، پس جس چیز سے شریعت کی رُو سے نفع اُٹھانا اصلاً ممکن ہی نہ ہو، جیسے مُردار کا گوشت، زہریلا کھانا وغیرہ یا وہ نفع لوگوں کے نزدیک مُعتَد بِہ (Countable) نہ ہو، جیسے گندم کے چند دانے، پانی کے چند قطرے یا مُٹھی بھر مٹی وغیرہ، خَمر اور خنزیر مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں ہے"۔

مَجلّۃُ الاحکام العدلیۃ زیر مادہ:126 میں ہے: "مال وہ ہے جس کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہو اور جسے حاجت کے لئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو، خواہ وہ مالِ منقول (Movable) ہو یا غیرِ منقول (Immovable)۔ اِس تعریف کو ناقص بھی قرار دیا گیا ہے، کیونکہ بعض چیزیں مال ہیں لیکن اُنہیں زیادہ دیر تک ذخیرہ نہیں کیا جاسکتا جیسے سبزیاں۔ دیگر فقہاءِ کرام کے نزدیک ہر وہ چیز جو قیمت رکھتی ہو اور اُس کے تلَف کئے جانے پر ضمان لازم ہو، وہ مال ہے۔ یہ مال کی قانونی تعریف ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد04، ص7:7-2876 مُلخصاً)"۔

مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط:

فقہاءِ کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں مال پر زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط کو بیان کیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کس مال پر، کب زکوٰۃ فرض ہے؟۔

(۱) مالک کو مال پر مکمل قانونی ملکیت حاصل ہو یعنی مال اس کے قبضے میں ہو اور اُسے خرچ کرنے یا روکے رکھنے کا مکمل اختیار حاصل ہو۔

(۲) مال قابلِ افزائش (Increasing) ہو، یعنی اس مال میں اضافہ ہو رہا ہو یا اضافہ ہونے کی صلاحیت (Potential) رکھتا ہو۔

(۳) شریعت کی مقرر کی ہوئی کم از کم مقدار کے برابر یا اُس سے زیادہ ہو، اصطلاحِ فقہ میں اسے "نِصاب" (Quorum) کہتے ہیں۔

(۴) مالک کی بنیادی اور اصلی ضرورتوں سے زائد ہو۔ لباس، گھر کا ساز وسامان، مکان، سواری کی چیزیں، استعمال کا ہتھیار، عالم کے لئے ذاتی استعمال کی علمی کتابیں، پیشہ ورانہ آلات (جیسے ڈاکٹر کی سرجری کے آلات، ایکسرے والٹرا ساؤنڈ مشینیں، کارخانے یا ورکشاپس کی مشینیں جو زیرِ استعمال ہوں) وغیرہ۔

کسی کا گمشدہ مال کچھ سالوں کے بعد مل جائے یا سمندر میں گرا ہوا مال جو کچھ عرصے بعد مل جائے یا غصب شدہ

مال جس پر گواہ نہ ہوں، کچھ عرصے بعد مل جائے یا جنگل میں دفن کیا ہوا مال جس کی جگہ بھول گئی ہو اور کچھ عرصے بعد ملے یا کسی اجنبی کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا مال، جس کے بارے میں یاد نہ رہے کہ کس کے پاس امانت رکھا ہے اور کچھ عرصے بعد مل جائے یا مقروض لوگوں کے پاس مال ہو جس کا وہ انکار کرتے ہوں اور دینے والے کے پاس گواہ نہ ہوں اور کچھ عرصے بعد اللہ کی تقدیر سے مل جائے یا کسی نے ظلماً مال لیا ہو اور کچھ برسوں کے بعد مل جائے، تو ان اموال پر گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ اس عرصے میں اُس کے لئے مالِ نامی نہیں رہا۔ لیکن اگر کوئی انتہائی تنگ دست یا مُفلس (Insolvent,Bankrupt) ہے، یعنی جسے دیوالیہ قرار دے دیا گیا ہو، اُس سے کچھ سالوں کے بعد وہ مال مل جائے یا کوئی مقروض مُنکر ہے، لیکن اُس پر گواہ موجود ہیں، تو ایسا مال جب بھی ملے گا اُس پر گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ عائد ہوگی۔

قیمتی موتی اور ہیرے (Diamonds) جواہرات (Jewelery) جیسے یاقوت، زبرجد، فیروزہ اور مرجان وغیرہ، جو تجارت کی غرض سے نہ ہوں بلکہ محض ذاتی استعمال کے لئے ہوں، تو اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۵) مال کو مالک کی مکمل قانونی ملکیت میں پورا ایک قمری سال گزر جائے یا سال کے اول اور آخری حصے میں اس کے پاس کم از کم نصاب کے برابر مال موجود رہا ہو اور سال کے درمیان میں نصاب مکمل طور پر ختم نہ ہوا ہو، یاد رہے کہ مال کے ہر حصے پر سال گزرنا شرط نہیں ہے۔

جان و مال کے حقِ ملکیت کے بارے میں اسلام کا تصور:

اسلامی تعلیمات کی رُوح یہ ہے کہ انسان کی جان، مال حتی کہ ساری کائنات کا مالک حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ انسان کے لئے اپنی تمام مملوکہ اشیاء (Owned Objects) پر ملکیت کا اطلاق مجازاً (Metaphor) ہے۔ انسان کو صرف ان پر تصرُّف (Athority To Dispose) کا اختیار ہے اور ان کے منافع (Usufruct) کو استعمال کرنے کا حق عطا کیا گیا ہے۔ لیکن تصرُّف کا یہ حق کچھ شرعی حدود وقیود (Terms & Conditions) کا پابند ہے، بندے کا یہ حق یا اختیار لامحدود نہیں ہے۔ اُس سے پوچھا جائے گا کہ اُس نے مال کن ذرائع سے کمایا، آیا اس کا مال کمانے کا طریقہ حلال تھا یا حرام؟۔ اسی طرح سے بندے کا مال خرچ کرنے کا اختیار بھی شریعت کا پابند ہے۔ مُباح اُمور میں اُسے خرچ کرنے کی اجازت ہے لیکن فضول خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ O

ترجمہ: ''(اللہ کے دیئے ہوئے حلال مال میں سے ضرورت کے مطابق) کھاؤ اور پیو اور خرچ کرنے میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، (الاعراف:31)''۔

اور حرام کاموں میں خرچ کرنا شریعت میں مطلقاً منع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا O

ترجمہ: ''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کرنے والا ہے، (بنی اسرائیل:27)''۔ یعنی کسبِ مال (To Earn Money) اور صَرفِ مال (TO Expend Money) دونوں اختیارات شریعت کے تابع ہیں۔ شریعت کے اِنہی اَحکام کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی جان کو تلف کرنے یعنی خودکشی (Suicide) کرنے کا حق نہیں رکھتا اور یہ فعل حرام ہے اور قیامت میں اِس کی سنگین سزا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں ہے:

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهٗ فِیْ يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِیْ بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِداً مُّخَلَّداً فِيْهَا اَبَداً، وَمَنْ شَرِبَ سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ يَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِداً مُّخَلَّداً فِيْهَا اَبَداً، وَمَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ يَتَرَدّٰى فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِداً مُّخَلَّداً فِيْهَا اَبَداً۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی آہنی ہتھیار سے خودکشی کرے، تو (آخرت میں) وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں (بطورِ سزا) عرصۂ دراز تک یہ ہتھیار اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا، اور جو شخص زہر پی کر خودکشی کرے گا، تو وہ جہنم میں عرصۂ دراز تک زہر پیتا رہے گا، اور جو شخص کسی پہاڑ (یا بلند و بالا عمارت یا مینار) سے گر کر خودکشی کرے گا تو وہ (اس عمل کی سزا کے طور پر) عرصۂ دراز تک جہنم (کے گہرے گڑھوں) میں گرتا رہے گا، (صحیح مسلم:296)''۔

(۲) صحیح مسلم میں ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آگئے، حضرت طفیل کا ساتھی بیمار ہوگیا اور جب بیماری قوت برداشت سے باہر ہوگئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، جس کی وجہ سے اُس کے دونوں ہاتھوں سے خون بہنے لگا

اور اسی سبب سے اُس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت طفیل نے اُسے خواب میں اچھی حالت میں دیکھا، لیکن اُس نے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے ہوئے تھے، حضرت طفیل نے پوچھا:

مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ ؟، فَقَالَ: غَفَرَ لِيْ بِهِجْرَتِيْ اِلٰى نَبِيِّهٖ ﷺ ،فَقَالَ: مَالِيْ اَرَاكَ مُغَطِّياً يَدَيْكَ؟، قَالَ: قِيْلَ لِيْ: لَنْ نُّصْلِحَ مِنْكَ مَا اَفْسَدْتَ، فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ ۔

ترجمہ: ’’ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟، اُس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کے سبب سے بخش دیا، حضرت طفیل نے پوچھا: ہاتھوں کو کیوں لپیٹے ہوئے ہو؟، اُنہوں نے کہا: ’’مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے، ہم اُسے درست نہیں کریں گے‘‘، حضرت طفیل نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا، خواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اے اللہ! اس کے ہاتھوں (کی خطا) کو بھی بخش دے‘‘، (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث: 307)‘‘۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ O

ترجمہ: ’’اور اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا (حقیقی) وارث ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے خوب باخبر ہے، (آل عمران:180)‘‘۔

(۲) وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

ترجمہ: ’’اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ آسمانوں اور زمین (اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا حقیقی) وارث اللہ ہی ہے، (الحدید:10)‘‘۔

اسراف وتبذیر کی تعریف اور حکم:

شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا، لیکن فضول اُمور جن کا نہ دینی فائدہ ہو اور نہ ہی دنیاوی کوئی فائدہ ہو، ان میں خرچ کو اسراف (بے جا خرچ) اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کو تبذیر سے تعبیر کیا اور فرمایا:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا O اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ

ترجمہ:''اور اِسراف اور فضول خرچ کرنے سے بچو، بے شک فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں،
(بنی اسرائیل:27-26)''۔
بعض مُفسّرینِ کرام نے اِسراف اور تبذیر میں فرق کیا ہے۔ اسراف کسی فضول کام میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں
اور تبذیر ناجائز کام میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں، خواہ اُس کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔ عام معنیٰ کے اعتبار سے تبذیر
اسراف کو بھی شامل ہے۔ نیک مَصرف پر خواہ کتنا ہی زیادہ مال خرچ کیا جائے، اُس پر اِسراف کا اِطلاق نہیں ہوتا،
اسی لئے کہا جاتا ہے:''لَا اِسْرَافَ فِی الْخَیْر''، یعنی خیر کے کاموں میں کوئی اِسراف نہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ جَدِّهٖ، قَالَ: جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَسَأَلَهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَأَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰی هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ اَوْ تَعَدّٰی اَوْ ظَلَمَ۔

ترجمہ:''حضرت عمرو بن شعیب اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی
آیا اور وضو کے بارے میں سوال کیا، پس آپ نے اُسے تین تین مرتبہ وضو کر کے دکھایا، پھر آپ ﷺ نے
فرمایا: یہ وضو کا صحیح طریقہ ہے، پس جس نے اس سے زیادہ کیا، تو اُس نے برا کیا یا حد سے تجاوز کیا یا ظلم کیا،
(سنن ابن ماجہ: 422)''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک وہ امر جو فی نفسہٖ جائز ہے، اُس میں حدِ شرع
سے تجاوز کرلیا جائے، تو یہ حدیثِ پاک کی رو سے اساءت اور تعدی ہے۔

امام احمد رضا قادری قدس سرّہ العزیز لکھتے ہیں:

اقول: اسراف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے:

(۱) غیرِ حق (یعنی ناجائز امور) میں صرف کرنا، (اس معنی میں) یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
فرمائی:

الفریابی و سعید بن منصور و ابو بکر ابی شیبة والبخاری فی الادب المفرد وابناء جریر و المنذر وابی حاتم والطبرانی والحاکم و صححه والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ لابن جریر کلهم عنه رضی الله تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ولا تبذر تبذیرا قال التبذیر فی غیر الحق و هو الاسراف۔

ترجمہ: فریابی، سعید بن منصور، ابوبکر بن ابی شیبہ اور بخاری نے ادب المفرد میں، ابن جریر، ابن منذ، ابن ر ابی حاتم،

ابو حاتم طبرانی، حاکم بافادہ تصحیح بیہقی نے شعب الایمان میں اور یہ لفظ ابن جریر کے ہیں۔ ان تمام حضرات نے اللہ تعالیٰ کے قول "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا" کی تفسیر میں فرمایا کہ تَبْذِيْر ناحق خرچ کو کہتے ہیں، یہی اسراف ہے۔ (ت)

اور اسی کے قریب ہے وہ کہ تاج العروس میں بعض سے نقل کیا "وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ"، یعنی بے جا خرچ کرنا۔ ابن ابی حاتم نے امام مجاہد تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے روایت کی:

لَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اَبِيْ قُبَيْسٍ ذَهَبًا فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ اِسْرَافًا وَلَوْ اَنْفَقْتَ صَاعًا فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ كَانَ اِسْرَافًا۔

ترجمہ: "اگر تو اللہ کی فرمانبرداری میں کوہ ابوقبیس کے برابر سونا خرچ کر دے تو بھی اسراف نہ ہوگا، اور اگر تو ایک صاع بھی اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرے تو اسراف ہوگا۔

کسی نے حاتم کی کثرتِ دادودہش پر کہا: "لَا خَيْرَ فِيْ سَرَفٍ"، یعنی اسراف میں خیر نہیں۔ اُس نے جواب دیا: لَا سَرَفَ فِيْ خَيْرٍ، یعنی کارِ خیر میں صرف کرنا (مقدار سے قطع نظر) اسراف نہیں ہے۔

اقول: حاتم کا مقصود تو خدا نہ تھا، نام تھا کَمَا نَصَّ عَلَيْهِ فِي الْحَدِيْثِ (جیسا کہ حدیث میں نص وارد ہے) تو اُس کی ساری دادودہش اسراف ہی تھی، مگر سخائے خیر میں بھی شرع مطہر اعتدال کا حکم فرماتی ہے:

قَالَ اللّٰهُ: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝

ترجمہ: "فرمانِ الٰہی ہے اور تو اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ کر نہ رکھ، اور نہ اس کو پوری طرح کھول ورنہ تو ملامت زدہ حسرت زدہ ہو کر بیٹھ رہے گا، (بنی اسرائیل: 29)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝

ترجمہ: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں، تو نہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں، اور ان کا خرچ کرنا میانہ روی پر ہوتا ہے، (الفرقان: 67)۔

آیۂ کریمہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا (اور تم اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو اور اسراف نہ کرو) کی شان میں میں ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ معلوم و معروف رواھا ابن جریر وابن ابی حاتم عن ابن جریج۔

اُدھر صحاح کی حدیثِ جلیل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تصدق کا حکم فرمایا: فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خوش

ہوئے کہ اگر میں کبھی ابوبکر صدیق پر سبقت لے جاسکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہے کہ میرے پاس مال بسیار ہے، اپنے جملہ اموال سے نصف حاضرِ خدمت اقدس لائے۔حضور نے فرمایا: اہل وعیال کے لئے کیا رکھا؟۔ عرض کی اتنا ہی۔ اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور کل مال حاضر لائے، گھر میں کچھ نہ چھوڑا۔ ارشاد ہوا: اہل وعیال کے لئے کیا رکھا؟۔عرض کی: اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ۔اس پر حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: تم دونوں میں وہی فرق ہے جو تمہارے ان جوابوں میں۔

اور تحقیق یہ ہے کہ عام کے لئے وہی حکم میانہ روی ہے، اور صدق توکُل وکمالِ تَبَتُّل (مخلوق سے لاتعلق ہوکر اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا) والوں کی شان بڑی ہے۔

(۲) حکمِ الٰہی کی حد سے بڑھنا، یہ تفسیر ایاس بن معاویہ بن قرۃ تابعی بن تابعی بن صحابی کی ہے۔

روی ابن جریر وابو الشیخ عن سفیان بن حسین عن ابی بشر قال: اطاف الناس بایاس بن معاویة فقالوا: ما السرف؟ قال: ما تجاوزت به امر اللّٰه فهو سرف۔

ترجمہ: ''ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ابوبشر سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے ایاس بن معاویہ کو گھیر لیا اور ان سے دریافت کیا کہ اسراف کیا ہے؟، تو انہوں نے فرمایا: وہ خرچ جس میں تم اللہ کے حکم سے تجاوز کرو، اسراف ہے (ابن جریر 42/8)۔ (فتاوٰی رضویہ، جلد:01،ص:692)

علامہ السید الشریف علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی لکھتے ہیں:

التبذیر هو تفریق المال علی وجه الاسراف۔

ترجمہ ''اسراف کے طور پر مال کو خرچ کرنا''۔

الاسراف انفاق المال الکثیر فی الغرض الخسیس۔

ترجمہ: ''گھٹیا مقصد میں زیادہ مال خرچ کرنا''۔

الاسراف تجاوز الحد فی النفقة، وقیل ان یأکل الرجل ما لا یحل له او یأکل مما یحل له فوق الاعتدال و مقدار الحاجة، وقیل الاسراف تجاوز فی الکمیت فهو جهل بمقادیر الحقوق۔

ترجمہ: ''نفقے میں حدِ اعتدال سے تجاوز کرنا، ایک قول یہ ہے کہ آدمی ناجائز چیز کھائے یا جائز چیز حاجت سے

زیادہ اور حدِ اعتدال سے زیادہ کھائے اور ایک قول یہ ہے کہ اسراف مقدار میں تجاوز کا نام ہے (یعنی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، اسی کو عرفِ عام میں فضول خرچی کہتے ہیں)، پس یہ حقوق کی مقدار سے جہالت ہے۔

الاسراف صرف الشئ فیما ینبغی زائدا علی ما ینبغی، بخلاف التبذیر فانه صرف الشئ فیما لا ینبغی۔

ترجمہ: ''ایسے امور جہاں خرچ کرنا چاہئے، وہاں حدِ اعتدال سے زیادہ خرچ کرنا، اس کے برعکس تبذیر ناجائز امور میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں''۔ (التعریفات، ص: 17، 44)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: اَلتَّبْذِیْرُ بِاِنْفَاقِ الْمَالِ فِی الْمَعَاصِیْ وَتَفْرِیْقُ الْمَالِ فِیْ غَیْرِ حَقٍّ، وَالْاِسْرَافُ ھُوَ مُجَاوَزَۃُ الْحَدِّ سَوَاءٌ کَانَ فِی الْاَمْوَالِ اَمْ فِیْ غَیْرِھَا کَالْاِسْرَافِ فِی الْقَتْلِ وَالْکَلَامِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ۔

ترجمہ: ''معصیت کے کاموں میں اور ناحق مَصرف پر مال خرچ کرنا ''تبذیر'' ہے اور حد سے تجاوز کرنا ''اِسراف'' ہے، خواہ یہ تجاوز مال میں ہو یا دیگر اُمور میں، جیسے قتل، کلام وغیرہ میں حد سے تجاوز کرنا، (لسان العرب: جلد 2، ص: 431)''۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

تبذیر کا معنی ہے تفریق، اس کی اصل ہے زمین میں بذر (بیج) کو پھینک دینا اور پھر اس کا استعارہ ہر اس شخص کے لئے کیا گیا جو اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہو، بظاہر بذر (بیج) کو زمین میں متفرق جگہ پھینک دینا بھی اس شخص کے نزدیک مال کو ضائع کرنا ہے جو بیجوں کو زمین میں ڈالنے کے نتیجہ سے ناواقف ہو۔

(المفردات، ج: 1، ص: 51، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، 1418ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفّٰی 597ھ لکھتے ہیں: تبذیر کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس کا معنی ہے مال کو باطل اور ناجائز جگہوں میں خرچ کرنا، مجاہد نے کہا اگر کوئی شخص اپنے تمام مال کو حق کی راہ میں خرچ کرے تو وہ مُبذِر نہیں ہے اور اگر وہ ایک کلو چیز بھی ناحق جگہ میں خرچ کرے تو وہ مبذر ہے، زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علاوہ میں خرچ کرنا تبذیر ہے، زمانہ جاہلیت

میں لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لئے اونٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور مالوں کو خرچ کیا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ صرف اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے مال کو خرچ کیا جائے۔ ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ مال کو بے فائدہ اور فضول خرچ کرنا اور مال کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

(زادالمسیر، ج:5 ص:28-27، مکتب اسلامی بیروت 1407ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی لکھتے ہیں:

مال کو ضائع کرنا اور اس کو فضول اور بے فائدہ خرچ کرنا تبذیر ہے، عثمان بن اسود نے کہا میں مجاہد کے ساتھ کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا، انہوں نے ابوقبیس پہاڑ کی طرف دیکھ کر کہا: اگر کوئی شخص اس پہاڑ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو وہ مسرفین میں نہیں ہے اور اگر وہ ایک درہم بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کرے تو وہ مسرفین میں سے ہے، ایک شخص نے کسی نیک کام میں بہت زیادہ مال خرچ کیا تو اس سے کہا گیا کہ اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے اس نے کہا خیر میں کوئی اسراف نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر، ج:7 ص:328 مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا حضرت سعد کے پاس سے گزر ہوا، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے سعد یہ کیا اسراف کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا وضو میں بھی اسراف ہے، آپ نے فرمایا ہاں خواہ تم دریا کے بہتے ہوئے پانی سے وضو کر رہے ہو، (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:425، مسند احمد، ج:2 ص:221، مسند احمد، رقم الحدیث:7065 عالم الکتب بیروت)۔

اس صورت میں اگرچہ پانی ضائع نہیں ہو رہا، لیکن تین بار سے زیادہ اعضاء وضو کو دھونے میں مومن کے عمل اور وقت کا ضیاع ہو رہا ہے۔

(تبیان القرآن، جلد:06، ص:698)

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عرفِ عام میں اسراف و تبذیر ہم معنی استعمال ہوتے ہیں، لیکن ان میں بنیادی معنوی فرق موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ تبذیر مطلقاً ناجائز، ممنوع اور معصیت کے کاموں میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں، خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔ اسی لئے مفسرینِ کرام اور فقہاءِ کرام نے اسراف کو تجاوز فی الکمیت اور جہل بمقدار الحقوق سے تعبیر کیا ہے جبکہ تبذیر کو جہل بالکیفیت سے تعبیر کیا ہے۔ اور ایسے امور جن میں فی نفسہٖ خرچ

کرنے کی تو اجازت ہے، لیکن ان میں حد سے تجاوز عبث ہے یا کسی درجے میں اساءت ہے۔

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

''اس تقدیر پر اسراف تبذیر سے عام ہوگا کہ ناحق صرف کرنا عبث میں صرف کو بھی شامل اور عبث مطلقاً گناہ نہیں، تو ازانجا کہ اسراف ناجائز ہے، یہ صرف معصیت ہوگا، مگر جس میں صرف کیا وہ خود معصیت نہ تھا اور عبارت ''لاتعط فی المعاصی'' کا ظاہر یہی ہے کہ وہ کام خود ہی معصیت ہو، بالجملہ تبذیر کے مقصود و حکم دونوں معصیت ہیں اور اسراف کو صرف حکم میں معصیت لازم، (فتاوٰی رضویہ، جلد:01 ص:698)''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر جس بے مثال انفاق و ایثار کا مظاہرہ کیا، وہ اُن کے مقامِ صدق و ایثار و اخلاص کے عین مطابق تھا، کیونکہ وہ صاحبِ عزیمت تھے اور حق کی راہ میں ہر مشکل کو خوش دلی سے برداشت کرنا اُن کا شِعار تھا، ایسے لوگ کسی مشکل وقت میں بھی پیکرِ صبر و رضا ہوتے ہیں، اللہ کی تقدیر پر قانع اور کسی مصیبت پر اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے شکوہ و شکایت نہیں کرتے، بلکہ ع ''ہرچہ از دوست مے رسد نکوست''۔ کا مصداق ہوتے ہیں۔ لیکن شریعت کے عمومی ضابطے عامۃ الناس اور اوسط درجے کے اہلِ ایمان کے لئے ہوتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی، بہترین صدقہ وہ ہے جو جائز حاجات کے لئے پس انداز کرنے کے بعد کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا خاص کرم:

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کرم ہے کہ وہ خود ہی اُنہیں مال و دولت عطا کرتا ہے اور پھر اُن سے فرماتا ہے کہ مجھے کچھ قرض دے دو یعنی میرے عطا کیے ہوئے مال میں سے میری رضا کے لئے میرے نادار بندوں پر اپنا مال خرچ کرو۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

ترجمہ: ''کون ہے وہ شخص جو اللہ کو قرضِ حسن دے، تو اللہ اُسے بڑھا کر اُس کے لئے کئی گُنا کردے اور اللہ ہی (رزق میں) تنگی اور کشادگی فرماتا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، (البقرہ:245)''۔

(۲) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ○

ترجمہ: ''اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو گے تو وہ اِسے تمہارے لئے دُگنا کردے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ (بندوں کے) شکر کا بہت قدر دان بہت علم والا ہے، (التغابن: 17)''۔

جو لوگ اِس دنیا میں اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ نہیں کرتے اور بُخل سے کام لیتے ہیں، وہ آخرت میں بہت پچھتائیں گے لیکن یہ پچھتاوا کسی کام نہیں آئے گا۔

آخرت کی فکر کرو:

انسان اس دنیا کی راحت اور آسائش کے لئے تو بہت تگ و دو کرتا ہے اور تمام جائز و ناجائز طریقوں کو اختیار کرکے مالِ کثیر جمع کرتا ہے تاکہ مشکل وقت میں اس کے کام آئے۔ لیکن اِس دنیا کی زندگی بہر حال محدود ہے اور اس کی راحتیں ناپائیدار ہیں۔ دائمی راحتیں اور پائیدار مسرتیں تو صرف آخرت میں نصیب ہوں گی۔ یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ آخرت کو فراموش کیے رہتا ہے، مگر جب روزِ حساب آئے گا تو پھر اس کا کمایا ہوا یہ مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو حکم فرمایا ہے کہ اگر اس دنیا کی رنگینیوں رعنایوں اور چمک دمک میں کھوئے رہنے سے کچھ فرصت ملے تو اُسے چاہئے کہ اپنی آخرت کے بارے میں بھی سوچ لیا کرے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌم بِمَا تَعْمَلُونَ٥

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر انسان کو سوچنا چاہئے کہ وہ کل (روزِ حساب) کے لئے کیا (ذخیرۂ عمل) آگے بھیج رہا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، بیشک اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے، (الحشر: 18)''۔

(۲) هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ ط

ترجمہ: ''کیا (وہ اس کتاب پر ایمان لانے کے لئے) اُس کی وعید کے وقوع کا انتظار کر رہے ہیں، جس دن وہ وعید واقع ہوگی تو جو لوگ اس کو پہلے فراموش کر چکے تھے، وہ کہیں گے: بیشک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، تو کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں، جو ہماری سفارش کریں؟ یا ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم اُن کاموں (گناہوں) کے

برخلاف کام کریں، جو ہم پہلے کرتے تھے، بے شک انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا، (الاعراف 53:)''۔

اگر بندۂ مومن نے اپنے خالق و مالک کے اس ارشاد پر توجہ نہ دی اور صرف مال جمع کرنے میں مشغول رہا تو کل قیامت کے دن اس کی ذہنی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس دن کا پچھتاوا اور ندامت کچھ کام نہ آئے گی۔

(۳) يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ Oوَصَاحِبَتِهٖ وَأَخِيْهِ O وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْوِيْهِO وَمَنْ فِى الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِO

ترجمہ: ''(قیامت کے دِن) مجرم تمنا کرے گا کہ کاش اُس دن کے عذاب سے رہائی کے بدلے میں وہ اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے (تمام) کنبے کو جو (دنیا میں مصیبت کے وقت) اُسے پناہ دیتا ہے اور اُن سب کے بدلے جو زمین میں ہیں بطور فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے، (المعارج: 11 تا 14)''۔

(٤) وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْأَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَO

ترجمہ: ''اور اگر ظالموں کے لئے وہ سب کچھ ہوتا جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس کے برابر (اور بھی) ہوتا، تو وہ قیامت کے دِن کے برے عذاب سے رہائی کے بدلے میں ضرور یہ سب کچھ بطور فدیہ دے کر (اپنی جان چھڑا لیتے) اور اُن کے لئے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہوگا، جس کا اُنہیں گمان بھی نہ تھا، (الزمر: 47)''۔

(۵) لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْأَرْضِ جَمِيْعاً وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُO

ترجمہ: ''اگر اُن کی مِلک میں وہ سب کچھ ہوتا جو زمین میں ہے اور اس جتنا اور بھی اُس کے ساتھ ہوتا، تو وہ اپنی جان چھڑانے کے بدلے میں ضرور یہ سب کچھ دے دیتے، اِن کا سخت حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے، (الرعد: 18)''۔

(٦) وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ،

ترجمہ: ''اور اگر ظلم کرنے والے ہر شخص کی مِلک میں زمین کی ساری دولت ہوتی تو وہ ضرور اِسے دے کر اپنی

جان چھڑالیتا، (یونس:54)''۔

لہٰذا اُس دِن کے آنے سے پہلے جب پچھتاوا کسی کام نہیں آئے گا، آج جو فرصتِ حیات میسر ہے، اسے اپنی عاقبت کو سنوارنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اِسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو متوجہ فرمایا ہے کہ وہ اِس دنیا کی زندگی میں رہتے ہوئے اپنی عاقبت کا سامان کرلیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَّالْکَافِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَO

ترجمہ:''اے ایمان والو! اُس دِن کے آنے سے پہلے ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرو کہ جس دن نہ (نیکیوں کی) خرید وفروخت ہوگی اور نہ کسی کی دوستی یا سفارش کام آئے گی، (البقرہ:254)''۔

(۲) وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنَاکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ O

ترجمہ:''اور جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے، اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرو، اِس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے، پھر وہ (حسرت ویاس سے) کہے: اے میرے رب! تو نے مجھے کچھ دِنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور (تیرے) نیک بندوں میں سے ہوجاتا، (المنافقون:10)''۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لئے قرآن وحدیث میں شدید وعید:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (۱) وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ

ترجمہ:''اور جو لوگ اُس چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُنہیں عطا کی ہے (یعنی اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے)، وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ اُن کے حق میں بہتر ہے بلکہ وہ اُن کے حق میں بہت بری ہے، عنقریب وہ مال جس میں بُخل کیا تھا، قیامت کے دن اُنہیں اُس کا طوق بنا کر ڈالا جائے گا، (آل عمران:180)''۔

(۲) وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍO یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ؕ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ٥

ترجمہ: ''اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو (اے نبی!) اُنہیں دردناک عذاب کی خبر سنایئے، جس دِن اُس (جمع کیے ہوئے مال) کو دوزخ کی آگ میں گرمایا جائے گا اور پھر اُس سے اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا، (اور ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے وہ مال جو تم نے (بڑی چاہت سے) جمع کیا تھا، تو اب اپنے اُس مال کا مزہ چکھو جسے تم (دنیا میں) جمع کیا کرتے (توبہ 35-34)''۔

احادیثِ مبارکہ میں ہے:

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ''مَامِنْ رَّجُلٍ لَایُؤَدِّیْ زَکٰوۃَ مَالِهٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا''، ثُمَّ قَرَأَ عَلَیْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ: ''وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ'' اَلْاٰیَةِ، وَقَالَ مَرَّةً: قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ مِصْدَاقَهٗ: ''سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ''، ''وَمَنِ اقْتَطَعَ مَالَ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ بِیَمِیْنٍ لَقِیَ اللّٰہَ وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ''، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِصْدَاقَهٗ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ٥

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا، قیامت کے دن وہ اس کی گردن میں ایک (زہریلے) سانپ کی صورت میں طوق بنا کر لپیٹا جائے گا''، پھر آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کی کتاب سے ہم پر اس کے مصداق کی آیت (یعنی سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 180) کی تلاوت فرمائی (جو اوپر گزر چکی ہے)، اور ایک بار انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس کا مصداق قرآن کریم کے یہ کلمات بیان فرمائے: ''سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ''. (آل عمران 180)، (اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:) جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا مال (جھوٹی) قسم کھا کر لے گا وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے غیظ وغضب کے ساتھ اس سے ملے گا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کا مصداق کتاب اللہ سے یہ بیان فرمایا: ترجمہ: ''بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں، اُن لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ (قیامت کے دِن) اُن سے کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف نظرِ (رحمت) فرمائے گا اور نہ ہی اُن کو (گناہوں کے میل سے) پاک فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے''، (آل

عمران:77)،(سنن ترمذی:3012)"۔

جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ ہلاک ہوجاتا ہے:

(۲)عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : مَاخَالَطَتِ الزَّکوٰۃُ مَالاً قَطُّ اِلَّا اَھْلَکَتْہُ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ وَالْبُخَارِیُّ فِیْ تَارِیْخِہٖ ۔

ترجمہ:"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب زکوٰۃ کا مال کسی مال میں مخلوط (Mixed) ہوگا، وہ اُسے ہلاک کردے گا، اس حدیث کو امام شافعی اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا"۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص:157)

اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ مال کسی نہ کسی وجہ سے ہلاک ہوجائے گا، دوسرا یہ کہ اُس سے برکت اٹھ جائے گی۔

مال اپنا ہے یا وارثوں کا؟

انسان بعض اوقات اپنی بیوی بچوں اور اہل وعیال کی جائز و ناجائز فرمائشوں اور خواہشات کی تکمیل کی خاطر اِن شرعی احکام کو نظر انداز کردیتا ہے۔ اور پھر ایک دن داعیِ اجل کو لبیک کہنا پڑتا ہے، سارا جمع شدہ مال دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ مرنے والے کے وارث مال پر عیش کرتے ہیں اور قبر میں حساب مردے کو دینا پڑتا ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں ہے:

(۱) عَنْ مُطَرِّفٍ ،عَنْ أَبِیْہِ قَالَ:أَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَھُوَ یَقْرَأُ ﴿اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ﴾قَالَ: یَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ : مَالِیْ ،مَالِیْ ! قَالَ:وَھَلْ لَکَ یَاابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِکَ اِلَّا مَا أَکَلْتَ فَأَفْنَیْتَ ،أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَیْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَیْتَ؟"۔

ترجمہ:"مُطَرِّف کے والد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اُس وقت "اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ" تلاوت فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال! میرا مال!، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (اے ابن آدم!) تیرا مال صرف وہی ہے، جو تو نے کھا کر فنا کردیا یا پہن کر بوسیدہ

کر دیا یا صدقہ کر کے (اپنی آخرت کے لئے) آگے بھیج دیا، (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2958)''۔

(۲) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ أُعْطِيَ وَادِياً مَلْآنَ مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَانِيًا، وَلَوْ أُعْطِيَ ثَانِيًا أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَالِثاً، وَلَا يَسُدُّ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

ترجمہ: ''اگر ابن آدم کو سونے سے بھری ہوئی ایک وادی مل جائے، تو وہ چاہے گا کہ ایسی ہی ایک اور وادی اُسے مل جائے۔ اور اگر اُسے دوسری بھی دے دی جائے تو وہ تیسری کی آرزو کریگا۔ حقیقت میں انسان کے پیٹ کو (قبر کی) مٹی ہی بھرے گی، ہاں! اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول فرماتا ہے، جو توبہ کرنا چاہے، (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 6438)''۔

(۳) عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ، قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ، قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالَ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ۔

ترجمہ: ''حضرت حارث بن سوید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر ایک کو تو بس اپنا ہی مال محبوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اُس کا مال تو فقط وہ ہے، جو اُس نے اپنی آخرت کے لئے آگے بھیج دیا (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ کر دیا) اور جو کچھ اُس نے پیچھے چھوڑا، وہ (اُس کا نہیں بلکہ) اُس کے وارث کا مال ہے، (صحیح بخاری: 6442)''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ o حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ o

ترجمہ: ''تمہیں کثرت مال کی خواہش نے (آخرت کی جواب دہی سے) غافل کر دیا ہے، یہاں تک کہ تم مر کر قبروں میں (اپنے انجام کو) پہنچ جاؤ گے، (التکاثر: 2-1)''۔

(۲) يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو اس امر کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل (آخرت) کے لئے کیا آگے بھیجا ہے، (الحشر: 18)''۔

(۳) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ

ترجمہ: ''(قیامت کے دن) ہر شخص جان لے گا کہ اُس نے اپنی آخرت کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور اپنے پیچھے دنیا میں کیا چھوڑ کر آیا ہے، (الانفطار: 5)''۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کتنی رحیم وکریم ہے کہ وہ خود اپنے بندے کو مال ودولت سے نوازتا ہے اور پھر امتحان کے طور پر اس سے فرماتا ہے:

(۴) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ

ترجمہ: ''اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرضِ حَسن دو اور جو بھی عملِ خیر تم (بدنی ومالی عبادات کی صورت میں) آگے بھیجو گے، تو اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (کئی درجہ) بہتر اور بہت بڑے اجر کی صورت میں پاؤ گے، (المزمل: 20)''۔

چنانچہ حدیثِ مبارک میں ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ،عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :لَيْسَ الغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مال داری مال واسباب کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ (حقیقت میں) مال داری یہ ہے کہ انسان کا دل (دنیا کی محبت سے) بے نیاز ہو جائے، (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 6446)''۔

قرآن مجید کی اِن آیاتِ مُقدّسہ اور اَحادیثِ مُبارکہ کی تعلیم یہ ہے کہ بندۂ مومن کو اپنی کمائی میں سے اپنا حصہ نکال کر اُسے اللہ تعالیٰ کی اَمان اور حفاظت میں دے دینا چاہئے۔ امام رازی رَحمہُ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا: ''اگر کوئی چاہے کہ اُس کا سارا مال اُس کے ساتھ قبر میں جائے، تو اس کی خواہش کی تکمیل کیسے ممکن ہے؟''۔ انہوں نے فرمایا: ''وہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، وہ سارے کا سارا مال اجرِ کثیر کی صورت میں اسے مل جائے گا''۔

حدیث پاک میں ہے:

عن عائشة انّهم ذبحوا شاة، فقال النبيّ ﷺ: مابقي منها؟، قالت: مابقي منها الّا كتفها،قال: بقي كلّها غير كتفها۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اُنہوں نے ایک بار ایک بکری ذبح کی، تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: (بکری کے گوشت میں سے) کتنا بچا ہے؟، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

ایک دست کے سوا (گھر میں) کچھ نہیں بچا (یعنی باقی سارا گوشت فقراء پر صدقہ کر دیا ہے)، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جو اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا)، وہ تو سارا ہی بچ گیا ہے، سوائے ایک دست (Shoulder) کے (جو گھر والوں کے لئے رہ گیا)''۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث، 2470، مسند احمد، جلد:6، ص:50)

زکوٰۃ کی فرضیت:

نماز کی طرح زکوٰۃ بھی اصولی طور پر سابق انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں شامل رہی ہے، اگرچہ اُن کے تفصیلی احکام جدا تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّاO

ترجمہ: ''اور اُس (اللہ) نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ رہوں، (مریم:31)''۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّاO

ترجمہ: ''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے، (مریم: 55)''۔

اعلانِ نبوت کے بعد مکی دور مسلمانوں کے لئے ابتلا کا دور تھا۔ تفصیلی احکام مدنی دور میں نازل ہوئے۔ تاہم مکی دور میں اِنفاق فی سبیل اللہ اور صدقات کی ترغیب ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ Oوَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ Oوَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا Oوَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاO

ترجمہ: ''بات یہ نہیں ہے بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور تم ایک دوسرے کو مسکین کے کھلانے پر رغبت نہیں دیتے اور تم میراث کا پورا مال سمیٹ کر کھاجاتے ہو اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔ (الفجر مکیہ: 17 تا 20)''۔

(۲) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ Oوَمَا اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ Oفَکُّ رَقَبَۃٍ Oاَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ Oیَّتِیْمًا

ذَا مَقْرَبَةٍ Oأَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ O

ترجمہ: ''پس وہ دشوار گھاٹی میں سے کیوں نہ گزرا، اور تو کیا جانے کہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟، (وہ قرض یا غلامی سے کسی کی) گردن چھڑانا ہے یا بھوک کے دِن کھانا کھلانا ہے، یتیم کو (خصوصاً) جو رشتہ دار بھی ہو یا مسکین کو جو خاک نشین ہے، (البلد مَکِّیَہ: 11 تا 16)''۔

(۳) أَرَأَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ Oفَذَالِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ Oوَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِO

ترجمہ: ''کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جو دین (یعنی روزِ جزا) کو جھٹلاتا ہے، تو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، اور مسکین کو کھلانے پر (کسی کو) آمادہ نہیں کرتا، (الماعون مَکِّیَہ: 1 تا 3)''۔

(٤) فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO

ترجمہ: ''تو قرابت والوں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو، یہ اُن لوگوں کے لئے بہت بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور وہی لوگ کامیاب (ہونے والے) ہیں، (روم مَکِّیَہ: 38)''۔

(٥) وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔

ترجمہ: ''اور اُن کے مال میں حق (مقرر) ہے، سائل اور (نعمتِ مال سے) محروم کا، (الذاریات مَکِّیَہ: 19)''۔

دوزخیوں سے اُن کے جہنم میں جانے کا جب سبب پوچھا جائے گا، تو وہ بتائیں گے:

(٦) ما سلككم في سقر Oقَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ Oوَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَO

ترجمہ: ''آیا کون سی باتیں تمہیں جہنم میں لے گئیں؟، وہ (جواب میں) کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، (المدثر مکیہ: 42 تا 44)''۔

(٧) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُوْنَ O ترجمہ: ''اور (وہ اہلِ ایمان کامیاب ہیں) جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، (المومنون، مکیہ: 4)''۔

اسی طرح سورۂ نمل (جو مکی ہے) میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم موجود ہے:

(٨) الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَO

ترجمہ: ''جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں، (نمل، مکیہ: 3)''۔
مکی زندگی میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی، وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (اِن کا لقب ذُوالجناحین اور طیّار بھی ہے) نے حَبشہ کے بادشاہ اَصحَم بن ابجر نجاشی کے دربار میں جو تقریر فرمائی، اس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی فرمایا: یَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ وَالصِّیَامِ ترجمہ: ''وہ (رسول اللہ ﷺ) ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیتے ہیں، (سیرت ابن ہشام، جلد 1 ص: 359)''۔

مکی زندگی میں صدقات کی ترغیب اور مدنی زندگی میں زکوٰۃ کی فرضیت:

مکی زندگی میں زکوٰۃ رُکنِ اسلام کے طور پر فرض نہیں ہوئی تھی بلکہ اِس کے ذریعے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی، اس سے مُطلقاً انفاق فی سبیل اللہ مراد تھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

طٰسٓ O تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ O هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ O الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ O

ترجمہ: ''طٰسٓ، یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں، یہ اُن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں، (النمل مکیہ: 1 تا 3)''۔
مفسرِ قرآن علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہم سورۂ نمل کی ایک آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس جگہ ایک اور اعتراض یہ ہوتا ہے کہ سورۃُ النمل مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں دو ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی ہے، سو اس آیت میں نماز کے بعد زکوٰۃ کے ذکر کی کیا توجیہ ہوگی، بعض علماء نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے اس کا معروف معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ سے مراد تزکیۂ نفس اور نفس کی برائی اور بے حیائی کے کاموں سے پاکیزگی اور طہارت اور نیک کاموں اور عمدہ اخلاق سے نفس کو آراستہ کرنا مراد ہے۔ مگر اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب بھی نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد معروف زکوٰۃ ہوتی ہے یعنی جو شخص مالک نصاب ہے، وہ سال گزرنے کے بعد اس مال کا چالیسواں حصہ ادا کرے، اس لئے اس سوال کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہے کہ نفسِ زکوٰۃ، یعنی اللہ کی راہ میں مطلقاً مال خرچ کرنا، اس قدر مکہ میں ہی فرض ہو چکا تھا اور زکوٰۃ کی تمام تفصیلات، اس کی شرائط اور مختلف اجناس کے الگ الگ نصابوں کا تعین مدینہ منورہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا''۔
(تبیان القرآن، جلد 8، ص: 553)

مکی زندگی میں زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے، کیونکہ اُس دور میں کفار و مشرکین کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کا اجتماعی نظم قائم نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا اجتماعی نظم قائم ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو پہلی اسلامی مدنی ریاست کا سربراہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ لہٰذا اب یہ مناسب موقع تھا کہ مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی کے لئے اَحکام جاری کئے جائیں۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال روزوں کی فرضیت سے پہلے زکوٰۃ مالی عبادت کے طور پر فرض کی گئی اور صدقۂ فطر واجب ہوا۔

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: وَفُرِضَتْ فِي السَّنَةِ الثَّانِيَةِ قَبْلَ فَرْضِ رَمَضَانَ،

ترجمہ: ''اور زکوٰۃ (ہجرت کے) دوسرے سال رمضان (کے روزوں) کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی، (رد المحتار علی الدر المختار، جلد 3، ص: 160، بیروت)''۔

حدیثِ مبارک میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَّقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لغو باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے روزوں کی پاکیزگی اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے ''زکوٰۃِ فطر'' کو فرض فرمایا اور جس نے اس کو عید کی نماز سے پہلے ادا کر دیا تو یہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے اس کو نماز کے بعد ادا کیا تو یہ صدقات میں سے ایک صدقہ ہے''۔ (سُنن ابو داؤد، رقم الحدیث: 1605)

☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کا معنی ومفہوم:

لغت میں زکوٰۃ کا معنی پاکیزگی،نُمُوّ (GROWTH)، اضافہ(INCREMENT) اور برکت ہے۔
اصطلاح میں زکوٰۃ کا معنی ہے:''وہ مال جوحدِ نصاب کوپہنچ چکا ہو،شارع کی طرف سے اُس کے ایک مقررہ حصے کافقیرکومالک بنادینا''۔

تنویرالابصارمع الدرالمختار میں ہے:(هِيَ) لُغَةً: اَلطَّهَارَةُ وَالنَّمَاءُ،وَشرْعًا : (تَمْلِيكُ جُزْءِ مَالٍ عَيَّنَهُ الشَّارِعُ)

ترجمہ:''زکوٰۃ: لغت میں پاک ہونے اور بڑھنے کو کہتے ہیں اورشرعاً کسی مستحق کو مال کے اُس حصے کا مالک بنادینا ہے، جسے شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے مقرر فرمایا ہے''۔

(ردالمختار علی الدرالمختار، جلد3،ص:161-160،بیروت)

زکوٰۃ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی باہمی مناسبت یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔مال کی پاکیزگی کے ساتھ نفسِ انسانی کوبھی پاکیزگی مل جاتی ہے۔گناہ کی نجاستوں سے دل صاف ہوجاتا ہے،مال ودولت کی مَحبت کے غَلَبے،حرص وہَوَس اور بُخل جیسی اَخلاقی خرابیوں سے باطن پاک ہوجاتا ہے،سیرت وکردار میں اُجلاپن آتا ہےاورفرد کی اصلاح وپاکیزگی سے معاشرے کی ترقی واصلاح ہوتی ہے۔مال اور دولت کی مَحبت غالب ہونے کی وجہ سے انسان میں حرص،بُخل،تکبُّر،تمرُّد اورفِسق وفُجور کی رذیل (Vice,Mean)صفات پیدا ہوتی ہیں۔مالی عبادت کے طور پراللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی ہے تاکہ انفاق فی سبیل اللہ سے ان اخلاقی اَمراض کا ازالہ ہواورانسان میں قناعت،جُودوسَخا،اِنکساراورتقویٰ وحُسنِ عمل کی اعلیٰ صِفات پیدا ہوں۔

ارشادِباری تعالیٰ ہے:خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔
ترجمہ:''(اے نبی ﷺ!)ان کے مال سے زکوٰۃ وصول کرکے اُنہیں(حرص وبُخل سے) پاک کریں اوراس کے ذریعے ان کے باطن کا تزکیہ کریں،(سورۂ توبہ:103)''۔

زکوٰۃ ناداروں کا حق ہے، اُن پر احسان نہیں:

اسلام کی رو سے زکوٰۃ ادا کر کے مال دار مفلس و نادار پر احسان نہیں کرتا بلکہ وہ حق دار کو اس کا وہ حق لوٹاتا ہے جو مال و دولت عطا کرنے والے ربِ کریم نے اس کے مال میں شامل کر رکھا ہے۔ حدیث مبارک میں ہے:

فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔

ترجمہ: ''پس آپ اِن کو بتائیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو اُن کے مال دار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی، (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1395)''۔

زکوٰۃ کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فُقراء و مساکین کا حق اپنے مال میں شامل رکھنا، غیر کے مال پر قبضہ کرنے کے مترادف ہے، تو جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے، وہ غیر کے حق کی آمیزش سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝

ترجمہ: ''اور اِن (مالداروں) کے مال میں سائل اور (نعمتِ مال) سے محروم لوگوں کا حق ہے، (الذاریات: 19)''۔

گویا قرآن مجید کا پیغام یہ ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ حق تلفی کرنے والا، ظالم اور غاصب ہے، کیونکہ وہ نادار کے حق کو لوٹانے سے عملاً منکر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نادار کو احسان مند ہونا چاہئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔

ترجمہ: ''جو بندوں (کے احسان) کا شکر ادا نہ کرے، وہ رب کا شکر گزار نہیں بن سکتا''۔

(سُنن ترمذی: رقم الحدیث: 1955)

صدقہ کا مفہوم:

لفظ صَدَقہ، زکوٰۃ کا ہم معنیٰ ہے، قرآن مجید میں متعدد آیات میں صَدَقہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس کی اصل ''صِدق'' ہے، جس کا معنیٰ ''سچائی'' ہے۔ اصطلاح میں صَدَقہ سے مراد وہ عطیہ ہے جسے دیتے وقت اجر و ثواب کی نیت کی جائے۔ بنیادی طور پر صدقہ نفلی انفاق پر بولا جاتا ہے اور زکوٰۃ واجب انفاق پر، مگر کبھی واجب انفاق (Obligatory Spending Money in the Way of Allah) کو بھی صَدَقہ کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ''تَصَدُّق'' کے ایک معنیٰ ''اِبْرَاءٌ عَنِ الذِّمَّةِ'' یعنی اپنے حق کو معاف کر دینے کے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قِصاص کا تفصیلی حکم بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ۔

ترجمہ: ''سو جو شخص اپنے (قصاص کے) حق کو مُعاف کر دے، تو یہ اُس کے لئے (گناہوں کا) کفارہ ہوگا، (المائدہ:45)''۔

حدیثِ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے بندے پر اپنی نعمتوں کے اعتراف اور اُن پر شکر کو بھی صدقے سے تعبیر کیا ہے، ارشاد فرمایا:

كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ۔ ترجمہ: ''انسان کے ہر ہر جوڑ (Joint) پر صدقہ واجب ہے''۔ پھر فرمایا: اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ۔ ترجمہ: ''کسی کو اچھی بات کہہ دینا بھی صدقہ ہے''۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 2989)

قرآن مجید کی ان آیات میں صدقہ زکوٰۃ کے معنیٰ میں مستعمل ہے:

(1) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ!) ان کے مال سے زکوٰۃ وصول کر کے اُنہیں (حرص و بُخل سے) پاک کریں اور اس کے ذریعے ان کے باطن کا تزکیہ کریں۔ (سورۂ توبہ: 103)

(2) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

ترجمہ: ''زکوٰۃ کے حق دار صرف فقراء اور مساکین ہیں اور زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ اور جن کے دلوں کو

اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو اور جن غلاموں کو آزاد کرنا ہو اور مقروض لوگ اور (وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو) اللہ کی راہ میں (وقف کر لیا ہے) اور مسافر لوگ، (سورۂ توبہ:60)"۔

اصل میں صَدَقہ کے مفہوم میں بہت وسعت ہے اور ہر قسم کے کارِ خیر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، خواہ یہ کارِ خیر کسی مدد اور تعاون کی صورت میں ہو، خواہ یہ جسمانی نیکی ہو یا مالی، خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے۔ اہلِ علم کے ہاں مالی صدقات اور غیر مالی صدقات کی ترکیب مروّج و مستعمل ہے، جس سے اس امر کی مزید تائید ہوتی ہے کہ صدقہ کا تصور صرف مالی انفاق تک محدود نہیں ہے، البتہ اس مفہوم میں کثرت استعمال کے باعث عُرف میں مالی انفاق کو ہی صدقہ کہا جاتا ہے۔ صدقات کی تین اقسام ہیں:

(۱) فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ (۲) واجب صدقات (۳) نفلی صدقات

صدقاتِ واجبہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قسم توڑنے کا کفارہ (۲) شرعی عذر کے سبب روزے کی جسمانی استطاعت نہ رکھنے والوں پر ایک روزے کے عوض ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانے کا فدیہ (۳) ظِہار کا کفارہ (۴) احرام کی حالت میں شکار کرنے کا کفّارہ اور اِحرام کی حالت میں دوسری جنایات کا کفّارہ جسے بَدَنہ، دَم یا صَدَقہ کہا جاتا ہے۔ (۵) صدقۂ فطر (۶) کسی نے مالی نذر مانی ہو تو اُسے پورا کرنا۔

فرض و واجب صدقات کے مستحق صرف مسلم فقراء و مساکین ہیں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُ هُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۔

ترجمہ: "ان کے مال سے زکوٰۃ وصول کر کے اُنہیں (حرص و بُخل سے) پاک کریں اور اس کے ذریعے ان کے باطن کا تزکیہ کریں۔ (سورۂ توبہ:103)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: اُدْعُهُمْ اِلَى شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذَالِكَ، فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ اَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَ تُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ ۔

ترجمہ: "اُن کو دعوت دو کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول

ہوں، پس اگر وہ اس کی اطاعت کرلیں تو پھر ان کو یہ خبر دو کہ اللہ نے ان پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس اگر وہ اس کی اطاعت کرلیں تو پھر ان کو خبر دو کہ بے شک اللہ نے اُن کے مالوں میں ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مال دار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی''۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث:1395)

البتہ نفلی صدقہ کسی حاجت مند غیر مسلم ذمی کو بھی دیا جاسکتا ہے، اسے آپ (General Charity) کہہ سکتے ہیں۔ نفلی صدقات کے لئے کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے، کوئی شخص جب چاہے، جتنا چاہے، جس صورت میں چاہے اور جس پر چاہے، انفاق کرے۔ ان صدقات کی نہ حد ہے، نہ مقدار مقرر ہے، نہ وقت مقرر ہے، نہ افراد کی تعیین اور نہ ہی استحقاق کی شرط، البتہ بہتر یہ ہے کہ اپنی حاجات کے لئے پس انداز کرنے کے بعد پہلے اپنے رشتے داروں اور قرابت داروں پر صدقہ کیا جائے۔

عوام کے نزدیک صدقات کا مفہوم:

عوام الناس میں صدقہ کا جو عام تصور پایا جاتا ہے، وہ اس کے علمی اور شرعی تصور سے پورے طور پر ہم آہنگ نہیں ہے۔ عام اہلِ عرب صرف سائلوں پر انفاق کرنے اور مالی احسان کے طور پر دیئے گئے عطیات کو صدقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پاکستان بھر اور شاید پورے برصغیر میں صدقہ کا عرفی معنی مصائب ومشکلات اور آفات وبلیات سے نجات وازالے کے لئے انفاق کرنا ہے۔ یہ انفاق عام طور پر کسی زندہ جانور مثلاً بکرا، مرغی وغیرہ یا اُس کے گوشت کی صورت میں ہوتا ہے، یہ محدود تصورات ہیں۔ بعض لوگ جانور صدقہ کرنے سے پہلے رات بھر مریض کے پاس باندھ دیتے ہیں یا مریض کی چارپائی کے گرد چکر لگواتے ہیں یا مریض اُس پر اپنا ہاتھ پھیرتا ہے، یہ سب شاید اس خیال کے تحت کیا جاتا ہے کہ اس طرح بیماری جانور میں منتقل ہوجائے گی اور مریض صحت یاب ہوجائے گا، یہ تمام غیر ضروری اَفعال ہیں، صدقہ کی ادائیگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ان تمام امور میں نیت ہی کافی ہے۔ اسی طرح مکان کی بنیاد رکھتے وقت بعض لوگ ردِّ بلا کے لئے بکرا وغیرہ اسی مقام پر ذبح کرتے ہیں تاکہ اس کا خون مکان کی بنیادوں میں گرے۔ صدقہ کے طور پر یا ردِّ بلا کے لئے جانور ذبح کرنا اچھی بات ہے لیکن اس کا خون مکان کی بنیادوں میں گرانا ضروری نہیں ہے۔ کبھی ایسے صدقات فقراء کے سپرد کردیئے جاتے

ہیں اور کبھی چیلوں اور کوؤں وغیرہ، گوشت خور جانوروں اور پرندوں کے سامنے ڈال دیئے جاتے ہیں، حالانکہ چیل یا کوؤں کو کھلانا باعثِ ثواب نہیں کیونکہ حدیث پاک میں ان کو فاسق قرار دیا گیا اور حدودِ حرم جہاں کسی جانور کو مارنا منع ہے وہاں بھی ان کے مارنے کا حکم دیا گیا۔ یونہی پرندوں اور حشرات الارض کی خوراک کے طور پر دالیں، چاول، باجرہ اور دیگر اجناس کا صدقہ کیا جاتا ہے، حالانکہ غیر پالتو جانوروں کو خوراک مہیا کرنے سے زیادہ اہم کام انسانوں کی فلاح و بہبود کا اہتمام کرنا ہے۔ صدقات کی یہ تمام صورتیں بلیّات ومصائب سے ازالے ونجات کے لئے اختیار کی جاتی ہیں اور ایک عام تصور کے تحت اُسے سیاہ رنگ سے تعبیر دے کر صدقہ کے لئے سیاہ جانور اور سیاہ اجناس کا انتخاب کیا جاتا ہے، ایسی پابندی کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

زکوٰۃ ایک عبادت ہے:

اسلام میں زکوٰۃ محض انفاق فی سبیل اللہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل مالی عبادت ہے۔ اور اِس کا مقصد ''تقرُّب الی اللہ'' اور ''رضائے الٰہی'' کا حصول ہے۔ اِس کے ذریعے جو انفرادی اور اجتماعی فوائد حاصل ہوتے ہیں، اُن کی حیثیت اضافی اور ثانوی ہے۔ جس طرح نماز میں بندگی کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور تقرُّب حاصل کیا جاتا ہے، روزے کی مشقت برداشت کرنا ایک طرح سے اپنے بدن اور صحت کا شکرانہ ہے۔ حج کے عمل سے اپنے مال و جان کی نذر پیش کی جاتی ہے، اسی طرح زکوٰۃ کا عمل اپنے مال ودولت کی نذر پیش کر کے، اس بات کا عملی ثبوت دینا ہے کہ مال کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

زکوٰۃ کا عبادت ہونا اس بات سے بھی واضح ہے کہ یہ کمزوروں اور ناداروں کی مالی اعانت سے بڑھ کر دینی شعائر میں شامل ہے اور اسی لئے صرف مسلمان ہی اسے ادا کرنے کے پابند ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کو قرضِ حسن سے تعبیر کرنے کی حکمت:

اسلام کی رُو سے انسانی جان ومال کا مالکِ حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، انسان کو صرف اُن پر شرعی احکام کے دائرے میں رہتے ہوئے حقِ تصرُّف (Authority To Dispose) یا حقِ استعمال (Making use of) عطا کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے ہاتھوں اپنی جان کو تلف کرنا یعنی خودکشی (Suicide) حرام ہے اور اس پر وہ عذابِ جہنم کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح اپنے مال کو بے جا خرچ کرنا جسے شریعت میں اسراف (Excessive Expendituir) کہا جاتا ہے، حرام ہے: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔

ترجمہ: ''فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں''۔(سورۂ اسراء: 27)

اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بلاغت اور اس کی کریمی کا اندازہ لگائیے کہ خود ہی مال عطا کرتا ہے اور پھر اپنے بندے کو عزت عطا کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ترجمہ: ''اور اللہ کو 'قرض حسن' دو، (المزمل: 20)''، اور پھر بندے کو یقین دلاتا ہے کہ جو مال تم اس کی رضا کے لئے اس کے مستحق بندوں کو دو گے، وہ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو تم نے ''قرضِ حسن'' (Goodly Loan) دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی امانت و حفاظت میں چلا گیا اور تمہاری یہ امانت محفوظ بھی ہے اور پھل پھول رہی ہے، ارشاد فرمایا: وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًاO

ترجمہ: ''اور جو (مال) خیر تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو تم اسے (آخرت میں) خیر کی اور اجرِ عظیم کی صورت میں پاؤ گے، (المزمل: 20)''۔

وجوب زکوٰۃ:

مالدار پر زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط یہ ہیں: اسلام، عاقل ہونا، بالغ ہونا، نصاب شرعی کا مالک ہونا (یعنی صاحبِ نصاب ہونا)، نصاب پر پورا ایک قمری سال گزر جانا، مال کا اُس کی مِلک میں ہونا، مال پر قابض ہونا اور نصاب کا دَین (قرض) سے فارغ ہونا۔

حَولانِ حَول کا مفہوم:

زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مال پر سال گزر جائے، اسے فقہی اصطلاح میں 'حَولانِ حَول' کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَا زَكَاةَ فِي مَالٍ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ''۔

ترجمہ: ''کسی مال پر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہے''۔

(سُنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 1792)

شریعت کی رو سے جس دن کوئی بالغ مسلمان مرد یا عورت زندگی میں پہلی بار مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق کم از کم نصاب کا مالک ہو جائے تو اسلامی کیلنڈر کی اسی تاریخ سے وہ ''صاحب نصاب'' قرار پاتا ہے۔ لیکن اس پر اسی دن سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تاوقتیکہ اُس نصاب پر اس کی ملکیت میں پورا ایک قمری سال نہ گزر جائے، سال کے اختتام پر

اسی قمری تاریخ پر اسے زکوٰۃ دینی ہوگی۔ اور سال بھر کم از کم نصاب کا ملکیت میں رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ سال کی ابتدا اور انتہا پر اگر اس کے پاس نصاب کی مقدار مال ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: وَالشَّرْطُ تَمَامُ النِّصَابِ فِیْ طَرَفَیِ الْحَوْلِ کَمَاسَیَأْتِیْ، ترجمہ: ''اور پورے نصاب کا سال کی ابتدا اور آخر میں (مِلک میں ہونا) شرط ہے''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:3،ص:173)

سال کے دوران اگر کچھ وقت کے لئے مال نصاب سے کم ہوجائے تو یہ کمی وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے، البتہ اگر پورا مال ہلاک ہوجائے تو ''حَولانِ حَول'' یعنی نصاب پر سال گزرنے کی شرط باطل ہوجائے گی، یعنی پوری نہیں ہوگی۔ علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: (فَلَا یَضُرُّ نُقْصَانُہٗ بَیْنَھُمَا) فَلَوْ ھَلَکَ کُلُّہٗ بَطَلَ الْحَوْلُ۔

ترجمہ: ''پس سال کے درمیان (نصاب کا) کم ہونا ضرر نہیں دیتا، لیکن اگر تمام مال ہلاک ہوجائے تو ''حَولانِ حول'' کی شرط باطل ہوجائے گی، (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد3،ص214)''۔

ہر مال پر (خواہ وہ نقد رقم ہو یا سونا چاندی کی صورت میں ہو یا صنعت و تجارت کا مال ہو) سال گزرنا زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، اگر مال کے ہر جُزو پر سال گزرنے کی شرط کو لازمی قرار دیا جائے تو تاجر حضرات کے لئے زکوٰۃ کا حساب نکالنا (Assessment) عملاً ناممکن ہوجائے گا، کیونکہ مال کی آمد و خرچ کا سلسلہ روز جاری رہتا ہے، بلکہ تنخواہ دار آدمی بھی ہر ماہ کی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتا ہے، لہٰذا مال کے ہر حصے کی مدت الگ ہوتی۔ دورانِ سال شامل ہونے والے مال کا الگ سال شمار نہیں کیا جاتا بلکہ درمیانِ سال میں حاصل ہونے والا مال جتنا بھی ہو، جب بھی شامل ہو، اس کا وہی سال ہے، جو بنیادی نصاب کا سال ہے۔ بشرطیکہ درمیان میں حاصل شدہ مال مالِ سابق کی جنس میں سے ہو۔

مذکورہ بالا تشریح کی روشنی میں زکوٰۃ کی تشخیص کی مقررہ تاریخ سے چند دن قبل بھی اگر مال ''صاحبِ نصاب'' کی ملکیت میں آجائے تو اسے پہلے سے موجود مال میں شامل کر کے کل مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

سال گزرنے کی شرط کا تعلق سونے، چاندی، نقد رقوم، سامانِ تجارت اور مویشیوں سے ہے۔ زرعی پیداوار، پھلوں، شہد اور کانوں یا زمین سے نکلنے والی چیزوں پر سال گزرنے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ زرعی پیداوار کی کٹائی اور پھلوں کے اتارے جانے پر ہی زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ O

ترجمہ: ''اور (فصل کی) کٹائی کے دن ہی اس کا حق ادا کرو، (الانعام: 141)''۔

سال سے مراد قمری سال ہے:

سال سے مراد ہجری سال کے بارہ مہینے ہیں، چونکہ یہ چاند کے حساب سے ہوتا ہے، اس لئے اسے (Luminar Calendar) کہا جاتا ہے، کیونکہ بعض دینی احکام جیسے عیدین، رمضان المبارک کے روزے، عدت کے احکام اور حج قمری سال سے متعلق ہیں۔ قمری سال تقریباً 354 دنوں پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ شمسی سال 365 دنوں کا ہوتا ہے۔ اگر شمسی سال (Gragorian Calendar) کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو قمری مہینوں کے اعتبار سے یہ ایک سال، دس دنوں پر ادا ہوئی، دس دن زائد کی زکوٰۃ اُس کے ذمے رہے گی۔ یعنی 32 شمسی سال (جسے عرفِ عام میں سن عیسوی کہا جاتا ہے) مکمل ہونے پر قمری سال 33 ہوجاتے ہیں اور اس طرح ایک سال کی زکوٰۃ بیچ میں غائب ہوجائے گی، جس کا آخرت میں حساب دینا ہوگا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے وقت کا اعتبار:

شرعی اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے نہ کوئی مہینہ مقرر ہے نہ تاریخ۔ پاکستان کے بعض علاقوں میں رجب کو زکوٰۃ کا مہینہ کہا جاتا ہے اور کراچی اور بعض دیگر علاقوں میں رمضان المبارک کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ سوچ یا تعامل (Practice) درست نہیں ہے۔ بلکہ وجوبِ زکوٰۃ کی اصل تاریخ وہ دن ہے جس دن کوئی شخص اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ نصاب کے برابر مال کا مالک ہوا۔ اگر کوئی شخص یکم رمضان المبارک کو صاحبِ نصاب ہوا ہو تو اُس کی ادائیگیِ زکوٰۃ کی تاریخ آئندہ سال یکم رمضان المبارک ہے اور آئندہ ہر سال اسی تاریخ کو مال کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے، اس اعتبار سے ہر شخص کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاریخ الگ الگ ہوگی اور کسی مہینے کو زکوٰۃ کا مہینہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تاہم اگر شروع سے اس کا اہتمام نہیں کیا گیا تو غور وفکر کریں کہ میں کونسے مہینے کی کونسی تاریخ میں نصاب کے برابر مال کا مالک ہوا اور جہاں دل جم جائے اسی کو اپنے سال کی ابتداء شمار کریں اور اگر غور وفکر کے بعد بھی دل کسی تاریخ پر نہ جمے تو اپنی سہولت کے لئے اب کوئی مہینہ اور تاریخ مقرر کر سکتے ہیں، جیسے رجب یا رمضان المبارک کی کوئی تاریخ۔ یونہی رمضان المبارک میں پیشگی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

نصاب زکوٰۃ:

اس سے مراد وہ کم از کم مالیت ہے، جس کا مالک ہونے سے مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ ناپ تول کے موجودہ اَعشاری نظام (Matric System) کے اعتبار سے نصابِ شرعی کی مقدار یہ ہے: 612.36 گرام یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی رائج الوقت قیمت کے مساوی نقد رقم یا مالِ تجارت جو اس کی بنیادی حاجت سے زائد ہو یا 87.48 گرام یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی رائج الوقت قیمت کے مساوی نقد رقم یا مالِ تجارت جو اس کی حاجت سے زیادہ ہو۔ آج کل چاندی اور سونے کے نصاب کی مالیت میں بہت زیادہ فرق ہے۔ فقہائے کرام نے کہا ہے کہ اگر اموال متفرق ہوں (یعنی کچھ سونا، کچھ چاندی اور کچھ مال تجارت یا نقد وغیرہ) یا صرف چاندی ہو، تو چاندی کے نصاب کا ہی اعتبار ہوگا تاکہ ناداروں کو فائدہ ہو، حدیث مبارک میں ہے:

(۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ زُهَيْرٌ: اَحْسِبُهٗ سَمِعَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ هَاتُوْا رُبُعَ الْعُشُوْرِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَاِذَا كَانَتْ مِأَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰى حِسَابِ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، زہیر کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات نبی ﷺ سے سن کر بیان فرمائی: یعنی ہر چالیس درہم پر ایک درہم اور تم پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ دو سو درہم پورے نہ ہو جائیں، پس جب مالیت دو سو درہم ہو جائے تو ان میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور جو مقدار اس سے زائد ہو اُس پر اُسی حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی، (سنن ابو داؤد، جلد 1، ص: 220)''۔

(۲) عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَاِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِيْ فِي الذَّهَبِ حَتّٰى تَكُوْنَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا، فَاِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيْهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ، فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور سونے پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے جب تک

کہ وہ بیس دینار نہ ہو، پس جب سونا بیس دینار ہو جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے، تو اس پر نصف دینار زکوٰۃ ہے، پھر جب سونے کی مقدار بڑھتی چلی جائے تو اُسی حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی، (سنن ابوداؤد، جلد 1، ص:221)"۔ واضح رہے کہ دوسو درہم چاندی کا موجودہ وزن 612.36 گرام یا ساڑھے باون تولہ ہے اور 20 دینار سونے کا موجودہ وزن 87.48 گرام یا ساڑھے سات تولہ ہے۔ ایک تولہ کا وزن 11.664 گرام ہوتا ہے۔

نصاب کی اس تعیین کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ مال کی کم از کم اتنی مقدار ہر گھرانے میں موجود ہے جس سے وہ بآسانی روزمرہ کی ضروریات زندگی حاصل کر سکیں اور ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی مدد و اعانت کرنے سے زکوٰۃ دہندہ خود محتاج ہو جائے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًی

ترجمہ: "بہترین صدقہ وہ ہے جس کے (دینے کے) بعد بھی آدمی مال دار رہے"۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1426)

محض رقم الگ کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی:

محض اپنے پاس زکوٰۃ کی نیت سے رقم الگ کر کے رکھ لینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تاوقتیکہ وہ مستحقین تک پہنچا نہ دی جائے، لہٰذا اگر زکوٰۃ کی نیت سے رقم اپنے پاس الگ کر کے رکھ دی ہو اور خدانخواستہ وہ تلف ہو جائے یا چوری ہو جائے تو زکوٰۃ اب بھی ادا کرنا لازم ہے، اس طرح وہ بری الذمہ نہیں ہوگا۔

اگر کسی نادار شخص نے کسی شخص کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی اور وہ اُس سے ضائع ہوگئی، اُس نے جھگڑے سے بچنے کے لئے اُسے زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم دے دی، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وَاِذَا هَلَكَتِ الْوَدِيْعَةُ عِنْدَالْمُوْدِعِ فَدَفَعَ الْقِيْمَةَ اِلٰى صَاحِبِهَا وَهُوَ فَقِيْرٌ لِدَفْعِ الْخُصُوْمَةِ يُرِيْدُ بِهِ الزَّكَاةَ لَايُجْزِيْهِ، كَذَا فِيْ "فَتَاوٰى قَاضِيْ خَانْ" فِيْ فَصْلِ اَدَاءِ الزَّكَاةِ۔

ترجمہ: "امین کے پاس امانت (کا مال) ضائع ہو گیا، اُس (امین) نے جھگڑے سے بچنے کے لئے (مال کے) مالک کو امانت کے مال کی قیمت (کے برابر) زکوٰۃ کی نیت سے دے دی اور وہ شخص فقیر ہے یعنی زکوٰۃ کا مستحق بھی ہے، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، جیسا کہ "فتاویٰ قاضی خان" میں احکام ادائے زکوٰۃ (کے باب) میں ہے"۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1، ص:171)

دورانِ سال زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی:

درحقیقت صاحبِ نصاب ہونے سے زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہوجاتی ہے، فقہی اعتبار سے اِسے "نفسِ وجوب" کہتے ہیں، البتہ شریعت کی جانب سے اُس سے ادائیگی کا مطالبہ سال مکمل ہونے پر کیا جاتا ہے، اسے "وجوبِ ادا" کہتے ہیں۔ چنانچہ سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا اسی فرض کو ادا کرنا ہے۔ اگر دورانِ سال کوئی صاحبِ نصاب تھوڑی تھوڑی رقم وقتاً فوقتاً زکوٰۃ کی نیت سے مستحقین کو ادا کرتا رہا ہے تو سال کے اختتام پر، تشخیصِ زکوٰۃ کے بعد پہلے سے ادا شدہ رقم کو وضع کرکے باقی رقم ادا کرے، اسی طرح مجموعی واجب الاداز کوٰۃ کی رقم کو پیشگی بالاقساط بھی ادا کرسکتا ہے۔

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک احتیاط یہ بھی برتی جاسکتی ہے کہ کل مال کا اندازاً حساب کرلیں اور اس پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کی رقم علیحدہ رکھ لیں اور روزانہ، ہفتہ وار یا ماہانہ بنیادوں پر جتنا چاہیں، زکوٰۃ دیتے رہیں، سال مکمل ہونے پر جس قدر مال ہو اس کی زکوٰۃ کا حساب لگالیں اور پہلے سے ادا کی ہوئی زکوٰۃ کی رقم منہا کر کے اگر زکوٰۃ باقی ہو تو ادا کردیں۔ اور اگر زیادہ دے دی ہو تو آئندہ سال کی زکوٰۃ سے منہا کرلے۔

سال کے اختتام پر صاحبِ نصاب نہ رہے تو؟:

پیشگی زکوٰۃ ادا کرتے وقت چونکہ یہ علم نہیں ہوتا کہ اختتام سال پر نصاب کی صورتحال کیا ہوگی؟، اس لئے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ابتدائے سال میں صاحبِ نصاب ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ پیشگی زکوٰۃ ادا کردے، لیکن اختتام سال پر اس کے پاس نصاب کے برابر مال نہ رہے اور اس سے زکوٰۃ کا فریضہ ساقط ہوجائے، ایسی صورت میں پیشگی ادا کی ہوئی رقم نفلی صدقہ شمار ہوگی۔

اموالِ تجارت پر زکوٰۃ:

مسلمان تاجر کی ملکیت میں جو بھی مال ہے، یعنی نقد رقم، بینک اکاؤنٹ، بانڈز، ڈیپازٹس، سونا چاندی اور مالِ تجارت وغیرہ، سب مال کی مجموعی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی غرض سے سونا' چاندی اور مالِ تجارت کی وہ قیمت معتبر ہے جو وجوبِ زکوٰۃ کے وقت ہوگی، یعنی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان تاجر کو وجوبِ زکوٰۃ کی مقررہ تاریخ پر اپنے مالِ تجارت کی محتاط اسٹاک پیکنگ اور صحیح

قیمت کا تعین (Valuation) کرنا چاہئے۔

مال کی قیمت کا تعین (Valution):

سونا چاندی اور مالِ تجارت کی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ موجودہ بازاری قیمتِ فروخت (Market Value) کا اعتبار ہوگا۔ سونا چاندی کی اشیاء اور زیورات میں غالب جز کا اعتبار ہوگا، یعنی سونے کا زیور جتنے قیراط (مثلاً 20 یا 22 یا 24 Carat وغیرہ) کا ہوگا، اُس کی قیمت لگائی جائے گی۔

صنعت کاروں کی تشخیص:

وہ کارخانہ جو پیداواری مقاصد کے لئے استعمال ہورہا ہے تو اس کے جامد اثاثہ جات (Fixed Assets) یعنی زمین، عمارت، متعلقہ تنصیبات (Instalations) اور اُس مشینری کی قیمت پر جو اُس صنعت (Industry) میں پیداواری مقاصد میں استعمال ہورہی ہے، زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ البتہ مسلمان صنعت کار کو اپنے دیگر تمام اموال کے ساتھ کارخانے میں موجود تمام خام مال (Raw Material) تیار مال (Finished Goods) اور مارکیٹ میں کریڈٹ پر دیئے ہوئے تمام مال کی بازاری قیمت فروخت (Market Value) نکال کر اس پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔

صنعتی و کاروباری مقصد میں استعمال ہونے والی اشیاء کی زکوٰۃ کا حکم:

فرض کریں کہ ایک ٹرانسپورٹر ہے اور اس کی ٹیکسیاں، کاریں، بسیں اور کنٹینرز وغیرہ ہیں، جن کو وہ کرائے پر چلاتا ہے اور کاروبار میں استعمال کرتا ہے، ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان کے کرائے سے حاصل ہونے والی آمدنی سے جو رقم سال کے آخر میں بچ رہے گی، اُس کے تمام ذرائع سے بچے ہوئے مال میں جمع کرکے مجموعی مال پر زکوٰۃ ہے، بشرطیکہ اس مال کی مجموعی مالیت مقدارِ نصاب تک پہنچ چکی ہو۔ اور یہی چیزیں اگر کسی تاجر کے شوروم میں ہیں اور وہ ان کا کاروبار کرتا ہے، تو ان کی موجودہ بازاری قیمت پر زکوٰۃ ہے، کیوں کہ اب یہ مالِ تجارت ہے، پیداوار کا ذریعہ نہیں ہے۔ اسی طرح فرض کریں کہ ٹیکسٹائل مل میں لومز ہیں یا گارمنٹس فیکٹری میں سلائی کی مشینیں (Knitting Machines) ہیں اور وہ اس کارخانے میں صنعتی مقصد کے لئے استعمال ہورہی ہیں، تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے، جب کہ یہی لومز یا مشینیں اگر تاجر کے شوروم میں ہیں اور برائے فروخت ہیں، تو ان کی موجودہ بازاری قیمت پر زکوٰۃ ہے۔

قرض سے متعلق زکوٰۃ کے احکام

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس شخص سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ ہے، وہ اس قدر مقروض نہ ہو کہ اگر اس کے پاس موجود مال قرض خواہ کو دے دیا جائے تو بقیہ مال نصاب سے کم ہو جائے۔ اگر اتنا مقروض ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد وہ صاحبِ نصاب نہیں رہتا تو گویا اُس کا سارا مال قرض میں گھرا ہوا ہے اور اُس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں: فَمَنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيَحْسِبْ مَالَهٗ بِمَا عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُزَكِّ بَقِيَّةَ مَالِهٖ، وَكَانَ بِمَحْضَرٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِّنْهُمْ، فَكَانَ ذٰلِكَ اِجْمَاعًا مِّنْهُمْ عَلٰى اَنَّهٗ لَاتَجِبُ الزَّكَاةُ فِي الْقَدْرِ الْمَشْغُوْلِ بِالدَّيْنِ،

ترجمہ: ''جس شخص کے پاس مال ہے اور اُس شخص پر قرض بھی ہے، تو اُسے چاہئے کہ قرض کے برابر مال کا حساب کر کے بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اُس وقت صحابۂ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی، اُن میں سے کسی ایک نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا اس پر صحابۂ کرام کا اجماع ہوا کہ قرض کے برابر مال پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی، (بدائع الصنائع، جلد2، ص:9)''۔

قرض (دین) کی اقسام:

علامہ کمال الدین ابن ہمام لکھتے ہیں:

قَسَّمَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ الدَّيْنَ اِلٰى ثَلَاثَةِ اَقْسَامٍ قَوِيٌّ وَهُوَ بَدَلُ الْقَرْضِ وَمَالُ التِّجَارَةِ وَمُتَوَسِّطٌ وَهُوَ بَدَلُ مَالَيْسَ لِلتِّجَارَةِ كَثَمَنِ ثِيَابِ الْبِذْلَةِ وَعَبْدِالْخِدْمَةِ وَدَارِالسُّكْنٰى وَضَعِيْفٌ وَهُوَ بَدَلُ مَا لَيْسَ بِمَالٍ كَالْمَهْرِ وَالْوَصِيَّةِ وَبَدَلِ الْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ وَالدِّيَةِ وَبَدَلِ الْكِتَابَةِ وَالسِّعَايَةِ۔ فَفِي الْقَوِيِّ تَجِبُ الزَّكٰوةُ اِذَا حَالَ الْحَوْلُ وَيَتَرَاخَى الْاَدَاءُ اِلٰى اَنْ يَّقْبِضَ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا فَفِيْهَا دِرْهَمٌ وَكَذَا فِيْمَا زَادَ فَبِحِسَابِهٖ وَفِي الْمُتَوَسِّطِ لَاتَجِبُ مَالَمْ يَقْبِضْ نِصَابًا وَتُعْتَبَرُ لِمَامَضٰى مِنَ الْحَوْلِ فِيْ صَحِيْحِ الرِّوَايَةِ وَفِي الضَّعِيْفِ لَاتَجِبُ مَالَمْ يَقْبِضْ نِصَابًا وَيَحُوْلُ الْحَوْلُ بَعْدَ الْقَبْضِ عَلَيْهِ، وَثَمَنُ السَّائِمَةِ كَثَمَنِ عَبْدِالْخِدْمَةِ وَلَوْ وَرِثَ دَيْنًا عَلٰى رَجُلٍ فَهُوَ كَالدَّيْنِ الْوَسَطِ۔

ترجمہ: ''امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے دین کی تین قسمیں بیان کی ہے: (۱) دین قوی (یہ) وہ دین ہے جو قرض اور

مال تجارت کا بدل ہو۔ (۲) دینِ متوسط (یہ) وہ دین ہے جو غیر مال تجارت کا بدل ہو جیسے استعمال کے کپڑوں کا ثمن اور خدمت کے غلام کا ثمن اور رہائشی گھر کا ثمن۔ (۳) دینِ ضعیف (یہ) وہ دین ہے جو غیر مال کا بدل ہو، جیسے (عورت کا) حقِ مہر اور مالِ وصیت اور خلع کا عوض اور قتلِ عمد میں مال پر صلح کرنے کی صورت میں حاصل ہونے والا مال اور مال دیت اور بدل کتابت اور غلام کا اپنے ماقبی حصے کو آزاد کرنے کے لئے جدوجہد کر کے اس حصے کی رقم مالک کو ادا کرنا (یہ مال بھی دینِ ضعیف ہے)۔ دینِ قوی میں سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی (یعنی نفسِ وجوب ثابت ہوجائے گا) اور ادائیگی اس وقت کرے گا جب چالیس درہم پر قبضہ کرلے (یعنی وجوبِ ادا تب لازم ہوگا)، پس چالیس درہم پر ایک درہم واجب ہے۔ اسی طرح زیادہ کا اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے گا اور دین متوسط میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جبکہ پورے نصاب پر قبضہ کرلے اور قبضے کے بعد اس پر ایک سال گزر جائے۔ چرنے والے جانوروں کا ثمن غلام کے ثمن کی طرح ہے (یعنی یہ بھی دینِ متوسط ہے) اور اگر کوئی شخص کسی کے قرض کا وارث بن جائے تو یہ بھی دین متوسط ہی کی طرح ہے، (فتح القدیر، جلد:02،ص:176)"۔

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

وَجُمْلَةُ الْكَلَامِ فِي الدُّيُونِ أَنَّهَا عَلَى ثَلَاثِ مَرَاتِبَ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ دَيْنٌ قَوِيٌّ وَدَيْنٌ ضَعِيفٌ وَدَيْنٌ وَسَطٌ، كَذَا قَالَ عَامَّةُ مَشَايِخِنَا أَمَّا الْقَوِيُّ وَهُوَ الَّذِي وَجَبَ بَدَلًا عَنْ مَالِ التِّجَارَةِ كَثَمَنِ عَرْضِ التِّجَارَةِ مِنْ ثِيَابِ التِّجَارَةِ وَعَبِيدِ التِّجَارَةِ أَوْ غَلَّةِ مَالِ التِّجَارَةِ وَلَا خِلَافَ فِي وُجُوبِ الزَّكٰوةِ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُخَاطَبُ بِأَدَاءِ شَيْءٍ مِنْ زَكٰوةِ مَا مَضَى مَا لَمْ يَقْبِضْ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا فَكُلَّمَا قَبَضَ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا أَدَّى دِرْهَمًا وَاحِدًا وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ كُلَّمَا قَبَضَ شَيْئًا يُؤَدِّي زَكٰوتَهُ قَلَّ الْمَقْبُوضُ أَوْ كَثُرَ وَأَمَّا الدَّيْنُ الضَّعِيفُ فَهُوَ الَّذِي وَجَبَ لَهُ بَدَلًا عَنْ شَيْءٍ سَوَاءٌ وَجَبَ لَهُ بِغَيْرِ صُنْعِهِ كَالْمِيرَاثِ أَوْ بِصُنْعِهِ كَالْوَصِيَّةِ أَوْ وَجَبَ بَدَلًا إِمَّا لَيْسَ بِمَالٍ كَالْمَهْرِ وَبَدَلِ الْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنِ الْقِصَاصِ وَبَدَلِ الْكِتَابَةِ وَلَا زَكٰوةَ فِيهِ مَا لَمْ يَقْبِضْ كُلَّهُ وَيَحُولُ عَلَيْهِ الْحَوْلُ بَعْدَ الْقَبْضِ، وَأَمَّا الدَّيْنُ الْوَسَطُ فَمَا وَجَبَ لَهُ بَدَلًا عَنْ مَالٍ لَيْسَ لِلتِّجَارَةِ كَثَمَنِ عَبْدِ الْخِدْمَةِ وَثَمَنِ ثِيَابِ الْبِذْلَةِ وَالْمِهْنَةِ۔

ترجمہ: ''دیون کے بارے میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں: (۱) دینِ قوی، (۲) دینِ ضعیف، (۳) دین وسط اسی طرح ہمارے مشائخ نے بھی یہی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

دین قوی سے مراد وہ دین ہے جو مالِ تجارت کے بدلے میں (کسی کے) ذمہ واجب ہو، جسے تجارت کے سامان کا ثمن اور تجارت کے کپڑوں کا ثمن اور تجارت کے غلاموں کا ثمن یا مالِ تجارت کے منافع۔ دین قوی میں زکوٰۃ کے واجب ہونے (یعنی نفسِ وجوب) میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ جب تک چالیس درہم پر قبضہ نہیں کرے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا اسے حکم نہیں دیا جائے گا، جب بھی چالیس درہم پر قبضہ کرے گا تو ایک درہم زکوٰۃ میں ادا کرے گا (یعنی وجوبِ ادا کا حکم تب لگایا جائے گا) اور صاحبین کے نزدیک جب بھی مال کی کچھ مقدار پر قبضہ کرے گا تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی، خواہ وہ مقدارِ مقبوض کم ہو یا زیادہ۔ اور دینِ ضعیف سے مراد وہ دین ہے جو کسی شے کے عوض ذمہ پر واجب ہو جائے، خواہ اس کے فعل کا اُس میں دخل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ مالِ میراث اور مالِ وصیت، یا جو غیرِ مال کے بدلے میں کسی کے ذمہ پر واجب ہوا ہو جیسے کہ عورت کا حق مہر اور خلع کا عوض اور قتلِ عمد میں مال پر صلح کرنا اور کتابت کا عوض۔ دینِ ضعیف میں جب تک کل مال پر قبضہ نہیں کرے گا، اس وقت اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور یہ ضروری ہے کہ قبضے کے بعد اس پر ایک سال بھی گزر جائے اور دینِ متوسط سے مراد وہ دین ہے، جو غیر مالِ تجارت کے بدلے میں کسی کے ذمے پر واجب ہوا ہو جیسے خدمت کے غلاموں کا ثمن اور استعمال اور کام کاج کے کپڑوں کا ثمن، (اس پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب کل مال قبضہ ہو جائے اور قبضے کے بعد اس پر سال بھی گزر جائے)، (بدائع الصنائع، جلد:02، ص:14)''۔

حکم:

دینِ قوی اور دینِ متوسط کی زکوٰۃ سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر دَینِ قوی میں واجب الادا اُس وقت ہوگی، جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے، جتنا وصول ہوا، اُتنے پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً اگر چالیس درہم وصول ہوئے تو ایک درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی درہم وصول ہوئے تو دو درہم زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دینِ متوسط پر زکوٰۃ اُس وقت واجب ہوگی جب مکمل دو سو درہم پر قبضہ ہو جائے، اس وقت پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی۔ دینِ ضعیف پر زکوٰۃ اُس وقت واجب ہے جب نصاب پر قبضہ کرنے کے بعد سال گزر جائے گزشتہ سالوں کا اس میں اعتبار نہیں یا اُس کے پاس (پہلے سے) کوئی نصاب اُسی جنس کا ہے اور اس کا سال

تمام ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

بقدر نصاب مقروض پر زکوٰۃ نہیں:

زکوٰۃ لازم ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ جس شخص سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، وہ اس قدر مقروض نہ ہو کہ اگر اس کے پاس موجود مال قرض خواہ کو دے دیا جائے تو بقیہ مال مقدارِ نصاب کی حد سے گھٹ کر نیچے چلا جائے۔ اگر اتنا مقروض ہو کہ قرض وضع کرنے کے بعد اس کا مال زکوٰۃ کے نصاب کی مقدار سے نیچے چلا جائے گا تو گویا اس شخص کا کل مال قرض میں گھرا ہوا ہے اور اس پر زکوٰۃ لازم نہیں۔ مثلاً ایک شخص کے پاس اُس کی حقیقی ضروریات سے زائد ایک لاکھ روپے موجود ہیں اور نصاب یعنی زکوٰۃ لازم ہونے کی کم از کم حد پچیس ہزار روپے ہے، جبکہ اُس شخص پر پچھتر ہزار روپے سے زائد قرض ہے، ایسا شخص مقروض شمار ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگا۔ ہاں! اگر اُس پر اتنا قرض ہے کہ قرض وضع کرنے کے بعد بھی اتنی رقم بچ رہے گی جو نصاب کی حد کو پہنچتی ہو تو اُس بچ جانے والی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور وہ شخص مقروض کے حکم میں نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ واجب ہونے میں وہ قرض رکاوٹ ہے جو زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے کا ہو۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد جو قرض لیا اُس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ قرض نیا ہے اور زکوٰۃ اس سے پہلے واجب ہو چکی تھی۔

وجوب زکوٰۃ سے مانع قرض کی مختلف شکلیں:

ہر وہ قرض جو بندوں کی جانب سے کسی شخص کے ذمے ہو، زکوٰۃ کے وجوب میں مانع ہے، مثلاً کوئی چیز خریدی اور اُس کی قیمت کی ادائیگی باقی ہو، تاوان کی وجہ سے ہو یا خلع کے عوض میں مال ادا کرنا لازم ہو یا بطور دیت رقم کا ادا کرنا لازم ہو۔

بیوی کا مہر زکوٰۃ واجب ہونے سے مانع نہیں:

بیوی کا مہر بھی قرض میں شمار ہوتا ہے، خواہ معجّل (Prompt) یعنی فوری واجب الادا ہو یا مؤجّل (Deferred) یعنی فوری واجب الادا نہ ہو۔ آج کل بالعموم عورتوں کا مہر مؤجّل ہی ہوتا ہے، جس کا مطالبہ عام طور پر دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تو یہ ایسا قرض نہیں ہے، جو وجوبِ زکوٰۃ میں مانع ہو۔

علامہ علاؤالدین ابوبکر کاسانی حنفی لکھتے ہیں: وَقَالَ بَعْضُ مَشَایِخِنَا :اِنَّ الْمُؤَجَّلَ لَایَمْنَعُ لِاَنَّہٗ غَیْرُ مُطَالَبٍ بِہٖ عَادَۃً ،

ترجمہ: ''ہمارے بعض مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ مہر مؤجل زکوٰۃ واجب ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے، اس لئے کہ عورت عادتاً مہر کا مطالبہ بھی نہیں کرتی، (بدائع الصنائع، جلد2، ص:9)''۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: قَالَ مَشَائِخُنَا رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ رَجُلٍ عَلَیْہِ مَھْرٌ مُؤَجَّلٌ لِاِمْرَاتِہٖ وَھُوَ لَایُرِیْدُ اَدَائَہٗ لَایُجعلُ مانعاً مِنَ الزَّکوٰۃِ لِعَدَمِ الْمطالَبۃِ فِی الْعَادَۃِ ۔

ترجمہ: ''ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسا شوہر، جس کے ذمے اس کی بیوی کا مہرِ مؤجل (Defered Dowery) ہے اور وہ اس کے ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، تو یہ قرض وجوبِ زکوٰۃ کے لئے رکاوٹ نہیں ہوگا کیوں کہ عورت عادتاً مہر کا مطالبہ بھی نہیں کرتی، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:173، مکتبۂ رشیدیہ، کوئٹہ)''۔

☆☆☆☆☆

طویل المیعاد قرضوں کا مسئلہ:

ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کا قرض، بعض زرعی، صنعتی اور تجارتی قرضوں کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں ہوتی بلکہ وہ پانچ، دس، پندرہ سال یا اس سے بھی زائد مدت پر محیط ہوتے ہیں اور ماہانہ یا سالانہ اقساط واجب الادا ہوتی ہیں۔ فوری ادائیگی کا نہ قرض خواہ مطالبہ کرتا ہے اور نہ مقروض شخص فوری طور پر قرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں رقم ہونے کے باوجود مقررہ اقساط سے زیادہ ادا نہیں کرتا، ورنہ یہ سوال زیر بحث آنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ ایسے قرضوں کے بارے میں ہمارے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ دینِ مؤجل (یعنی جس قرض کی واپسی کا فوری مطالبہ نہ ہو) وجوبِ زکوٰۃ اور ادائیگیِ زکوٰۃ میں مانع نہیں ہے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ ردالمحتار کے حوالے سے بہارِ شریعت میں لکھتے ہیں: ''جو دَین میعادی ہو وہ مذہبِ صحیح میں وجوبِ زکوٰۃ کا مانع نہیں، (بہارِ شریعت، جلد: 01، ص: 879)''۔

اس کی ایک مثال فقہاء نے بیوی کے مہرِ مؤجل کی دی ہے کہ بیوی مطالبہ نہیں کرتی اور شوہر کا عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سرِ دست ادا نہیں کرنا چاہتا، لہٰذا شوہر تشخیصِ زکوٰۃ کے وقت ایسے دینِ مہر کو اپنی کل مالیت سے وضع نہ کرے۔ طویل المیعاد (Long Term) قرضوں کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں ہے، اسی طرح طویل المدتی صنعتی قرضوں کا معاملہ ہے، ایک طرف تو ان قرضوں کے مقابل اتنی یا اس سے زیادہ مالیت کے اثاثے (ASSETS) موجود ہوتے ہیں، صنعت بیمار قرار پاتی ہے لیکن صنعت کار کی مالی صحت پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے، اس کے بنگلے، ذاتی اثاثے، جائیدادیں، کاریں، غیر ملکی مہنگے سفر پوری شان کے ساتھ قائم و دائم رہتے ہیں۔ ان کے اور ان کے اہل و عیال کی بود و باش اور رہن سہن انتہائی مال داری کی سطح پر نظر آتے ہیں۔ کچھ ہمارے انکم ٹیکس وغیرہ کے پیچیدہ قوانین، بیوروکریسی کے لامحدود صوابدیدی اور انضباطی اختیارات، ایسی وجوہ ہیں کہ کالے دھن (Black Money) اور سفید دھن (White Money) کا مسئلہ آج تک حل نہیں ہو پایا۔ ہمارے اہلِ ثروت اور صنعت کاروں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ معاملہ شفاف رکھنا چاہئے اور طویل المدتی قرضوں کو وضع کئے بغیر اپنی پوری مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے تاکہ کل قیامت کے دن اپنے ہی جمع کردہ مال سے داغے نہ جائیں۔

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ قرض ہے:

اگر ایک شخص کے ذمے کئی سال کی زکوٰۃ واجب الادا ہے اور اب اسے احساسِ فرض ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ادا کرنے کی توفیق وسعادت عطا کی ہے، تو اگر اس کے پاس ریکارڈ ہے کہ گزشتہ سالوں کے اختتام پر اس کی مالیت کیا تھی، تو ہر سال کے اختتام پر کل مالیت میں سے پچھلے سال کی زکوٰۃ وضع کر کے اپنی مالیت کا تعین کرے گا اور اسی ترتیب سے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

تشخیصِ زکوٰۃ کے وقت واجب الادا قرض کا مسئلہ:

تاجر حضرات کا اکثر مارکیٹ میں لین دین جاری رہتا ہے، کسی سے کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا ہے۔ تجارت سے ہٹ کر بعض اوقات لوگوں کا شخصی لین دین بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا تشخیص زکوٰۃ کے وقت واجب الوصول (Receivable) رقم کو اپنی مالیت میں جمع کر کے اس سے واجب الادا (Payable) رقم کو منہا کر دیا جائے، اس کے بعد جو مجموعی مالیت نصاب زکوٰۃ بنے گی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

قرض کی زکوٰۃ کس کے ذمے ہے؟:

قرض میں ہر فریق کی ملکیت ناقص ہوتی ہے۔ قرض خواہ کی ملکیت اس لئے ناقص ہوتی ہے کہ مکمل ملکیت کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: (۱) مال پر ملکیت (۲) مال پر قبضہ وتصرُّف (یعنی خرچ کرنے اور روکے رکھنے کا اختیار)۔

قرض دینے والا مال کا حقیقی مالک ہے، مگر قرض دینے کے بعد اُس کی ملکیت تو قائم ہے لیکن تصرُّف موجود نہیں۔ مقروض کی ملکیت اس لئے مکمل نہیں کہ اس کے پاس تصرُّف تو ہے مگر وہ اس مال کا قانونی مالک نہیں ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق اگر مقروض صاحبِ حیثیت اور دیانت دار ہے کہ قرض واپس کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور قرض کی ادائیگی سے انکاری بھی نہیں ہے یا اگر مقروض انکاری ہے اور قرض دہندہ کے پاس ٹھوس شہادتیں یا تحریری دستاویزات اور ثبوت موجود ہیں۔ چونکہ ایسی صورت میں قرض وصول ہونے کی قوی امید موجود ہے، تو یہ ایسے ہی ہے جیسے یہ مال قرض دہندہ کے قبضے اور تصرُّف میں ہو، لہٰذا اس قرض کی زکوٰۃ قرض خواہ پر واجب

ہے۔اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہر سال اپنے واجب الوصول (Receiveable) قرض کی رقم کو اپنی کل مالیت میں جمع کر کے زکوٰۃ ادا کرتا رہے، ہوسکتا ہے اس کی برکت سے قرض جلد وصول ہو جائے ورنہ قرض کی رقم جب بھی وصول ہوگی تو اُس پر پچھلے تمام سالوں کی اکٹھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

کسی مال پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے اس پر ''مِلکِ تام'' ہونا ضروری ہے۔ فقہ حنفی کی رُو سے ''مِلکِ تام'' کے لئے ملکیت (Ownership) اور بالفعل قبضہ (Physical Possession) دونوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے مال کا مملوک (Owned) ہونا شرط ہے۔لہٰذا مقروض پر جو دَین واجب ہے، اُس کی زکوٰۃ مقروض کے ذمے نہیں ہے، کیونکہ یہ مال اس کی مِلکیت میں نہیں ہے، اس مال کی زکوٰۃ اس کے اصل مالک پر ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مال مالک کے قبضے میں ہو، لہٰذا:

(الف) مقروض پر اگر دَین ہے اور وہ اُس کا اقرار بھی کرتا ہے، تو اُس کی زکوٰۃ قرض خواہ پر واجب ہے۔

(ب) تنگ دست مقروض یا جس کو قاضی نے مُفلِس اور دیوالیہ (Insolvent) قرار دیا ہو، اسے جدید اِصطلاح میں Bankrupt بھی کہا جاتا ہے۔ایسے شخص کے ذمے اگر کسی کا دَین (قرض) ہے، تو صحیح قول کے مطابق اصل مالک پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔لیکن اس زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور واجب نہیں ہے، بلکہ مقروض سے قرض کی وصولی پر زکوٰۃ دینا واجب ہوگی۔ اور مال جب بھی ملے پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دینی ہوگی، خواہ اب دے یا قرض کی رقم وصول ہونے پر دے۔ کیونکہ مال آنی جانی چیز ہے، اگر آج بالکل خالی ہاتھ ہے، تو اس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں، ممکن ہے وہ محنت کرے تو اس کے پاس دوبارہ مال آجائے۔ اسی طرح جس مال کو قاضی کے ذریعے وصول کیا جاسکتا ہے یعنی مقروض اقراری ہے یا قرض خواہ کے پاس گواہ اور دستاویزی ثبوت موجود ہیں، جن کی بنا پر وہ عدالت کے ذریعے مقروض سے مال وصول کرسکتا ہے، تو اس کی زکوٰۃ اصل مالک پر واجب ہے۔ البتہ ایسا مقروض جو منکر ہے اور قرض خواہ کے پاس گواہ یا دستاویزی ثبوت بھی نہیں ہیں، تو یہ ''مالِ ضمار (گمشدہ مال)'' کی طرح ہے اور اس مال کی زکوٰۃ قرض خواہ پر واجب نہیں ہے۔ تاہم یہ مال بھی اگر خوش قسمتی سے مل جائے تو اس پر بھی آئندہ سالوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

یہ فتاویٰ عالمگیری (جلد 1 ص:174)، بدائع الصنائع (الجزالثانی ص:13)، ردالمختار علی الدرالمختار (جلد 3 ص:172-171) اور الفقہ الاسلامی وادلتہٗ (جلد 3 ص:1800) کی ابحاث کا خلاصہ ہے۔

اگر قرض خواہ اِس مال کے ملنے سے پہلے بھی مال دار ہے، تو رواں سال کے مال میں جمع کر کے مجموعی مال کی زکوٰۃ دے گا۔ اور اگر پہلے سے مال دار نہیں ہے تو اس مال کے واپس ملنے کی تاریخ سے نیا سال شروع ہو گا اور سال گزرنے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

پھنسے ہوئے اور ڈوبے ہوئے قرض کی زکوٰۃ:

اگر صاحبِ نصاب کے قرض کی رقم پھنسی ہوئی ہے اور مقروض نادہندہ ہے لیکن اس کی واپسی کی آس قائم ہے تو اس کی زکوٰۃ دے دینی چاہئے، اگر نہ دی تو ملنے پر گزشتہ ساری مدت کی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ البتہ قرض کی ڈوبی ہوئی رقم کی زکوٰۃ اگر نہ دی تو وہ جواب دِہ نہیں ہوگا۔ مالِ ضمار پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے یعنی ایسا مال جس پر قانونی ملکیت ہونے کے باوجود اس سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو مثلاً گم شدہ جانوروں اور مال کی زکوٰۃ فرض نہیں۔ یوں ہی جو مال سمندر میں گر جائے یا ایسا ڈوبا ہوا قرض کہ مقروض تسلیم کرنے سے انکاری ہو اور مالک کے پاس اس کی کوئی شہادت یا دستاویز نہ ہو، اسی طرح اگر کوئی شخص جنگل یا صحرا میں اپنا خزانہ چھپا دے، پھر اس کے مقام کو بھول جائے تو اس پر اس کی زکوٰۃ لازم نہ ہوگی، (فقہ الاسلامی وادلتہ، جلد 3، ص:1800)، (بہارِ شریعت، جلد 1، حصہ پنجم، ص:877-876)۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وَيُشْتَرَطُ اَنْ يَتَمَكَّنَ مِنَ الْاِسْتِنْمَاءِ بِكَوْنِ الْمَالِ فِيْ يَدِهٖ اَوْ يَدِ نَائِبِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَتَمَكَّنْ مِنَ الْاِسْتِنْمَاءِ فَلَا زَكٰوةَ عَلَيْهِ، وَذَالِكَ مِثْلُ مَالِ الضِّمَارِ كَذَافِي "التَّبْيِيْنِ" ☆☆ وَهُوَ كُلُّ مَابَقِيَ اَصْلُهٗ فِيْ مِلْكِهٖ وَلٰكِنْ زَالَ عَنْ يَدِهٖ زَوَالًا لَا يُرْجٰى عَوْدُهٗ فِي الْغَالِبِ كَذَا فِي "الْمُحِيْطِ" ☆ وَمِنْ مَالِ الضِّمَارِ الدَّيْنُ الْمَجْحُوْدُ وَالْمَغْصُوْبُ اِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمَا بَيِّنَةٌ فَاِنْ كَانَتْ عَلَيْهِمَا بَيِّنَةٌ وَجَبَتِ الزَّكٰوةُ۔

ترجمہ: ''اور شرط یہ ہے کہ صاحب مال کو مال بڑھانے کی قدرت ہو، وہ اس طرح کہ مال اس کے اپنے قبضے میں ہو یا اس کے نائب کے قبضے میں ہو، پس اگر وہ مال کو بڑھانے پر قادر نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور یہ ''مالِ ضمار'' کی طرح ہے، تبیین میں اسی طرح ہے۔ مالِ ضمار سے مراد ہر وہ مال ہے جس پر اُس کی مِلک قائم ہو، لیکن اس کے قبضے سے اس طرح نکل گیا ہو کہ اُس کے ملنے کا غالب امکان نہ ہو، ''محیط'' میں اسی طرح ہے۔ اور مالِ ضمار ہی کے حکم

میں وہ قرض بھی ہے جس کا مقروض منکر ہو جائے یا جس مال کو غصب کر لیا جائے، جبکہ اُس پر کوئی گواہ بھی نہ ہو، اگر اُس پر کوئی گواہ ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:174)

تنویرالابصار مع الدرالمختار میں ہے:

ترجمہ: ''مندرجہ ذیل اموال میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے:

۱۔ جو مال گم ہو گیا ہو اور کئی سال بعد ملا ہو۔

۲۔ جو مال سمندر میں گر گیا ہو اور کئی سال بعد نکالا گیا ہو۔

۳۔ جس مال کو غصب کر لیا گیا ہو اور اس پر کوئی گواہ نہ ہو اور کئی سال بعد مل جائے۔ ہاں! اگر غصب شدہ مال پر گواہ ہو تو گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔۔۔۔آگے چل کر لکھتے ہیں:

۴۔ یا خشکی میں دفن ہو، لیکن جگہ بھول گیا ہو اور کچھ سال بعد یاد آئے۔

۵۔ کسی اجنبی کے پاس مال کو امانت رکھا ہے، لیکن مُودَع (یعنی جس کے پاس امانت رکھا گیا ہے)، معلوم نہ ہو۔

نوٹ: اس کے تحت علامہ شامی نے لکھا ہے: اگر جان پہچان والے کے پاس امانت رکھا ہے، تو ملنے پر گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ ہوگی، کیونکہ اس بھول میں اُس کی اپنی کوتاہی ہے، بحوالہ ''البحرالرائق''۔ ہاں! البتہ اگر محفوظ جگہ میں دفن ہے، جیسے اُس کے اپنے گھر میں یا کسی اور کے گھر میں، تو ملنے پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہوگی، بحوالہ ''البحرالرائق''۔ ایک قول یہ ہے کہ بڑا گھر صحرا کے حکم میں ہے۔ مالِ مدفون کے ملنے پر وجوبِ زکوٰۃ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ اس تک پہنچنا ممکن ہے اور ایک قول یہ ہے کہ واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ محفوظ نہیں ہے، بحوالہ ''البحرالرائق''۔۔۔۔تنویرالابصار مع الدالمختار میں ہے کہ زکوٰۃ کے عدمِ وجوب کی علت نمو (Growth) کا نہ ہونا اور اس میں اصل، حضرتِ علی کی یہ حدیث ہے کہ: ''مالِ ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے'' اور مالِ ضمار اسے کہتے ہیں کہ مِلک باقی ہو لیکن اُس سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو اور اگر کسی مال دار پر قرض ہے جو اقراری بھی ہے (اس کے تحت علامہ شامی نے لکھا: اس سے مراد وہ غنی ہے جو ادا نہیں کر رہا) یا تنگدست ہے یا دیوالیہ ہے کہ قاضی نے اس کے دیوالیہ ہونے کا حکم لگا دیا ہے یا مقروض منکر ہے، لیکن اُس پر گواہ موجود ہیں۔ تو (ایسے اشخاص کے ذمے واجب الاداء قرض پر زکوٰۃ کے وجوب کے بارے میں) امام محمد کا قول یہ ہے کہ ان پر

زکوٰۃ نہیں ہے اور یہی صحیح ہے، اس قول کو ابنِ مالک وغیرہ نے ذکر کیا کیونکہ کبھی گواہوں کی گواہی رد ہو جاتی ہے یا قاضی کو اس کا علم ہو، اور عنقریب آگے آئے گا کہ علمِ قاضی پر فیصلہ کرنا مفتیٰ بہ نہیں ہے، تو جب یہ مال اُس کی مِلک میں پہنچے گا تو گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

نوٹ: اس کے تحت علامہ شامی نے لکھا: ''تحفہ''، ''غایۃ البیان'' اور ''خانیہ'' میں اسے صحیح قرار دیا گیا ہے اور اسے ''امام سرخسی'' کی جانب منسوب کیا ہے، بحوالہ ''البحر الرائق''۔ اور ''النہر الفائق'' کے باب المصرف میں عقد الفرائد کے حوالے سے منقول ہے کہ ضروری ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ پھر علامہ شامی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں باقانی نے ''الکافی'' کے حوالے سے وجوبِ زکوٰۃ کی تصحیح کو نقل کیا ہے اور فرمایا: یہی قول معتمد ہے۔ اور ''فخر الاسلام'' کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور اسی لئے ''ہدایہ''، ''الغرر'' اور ''الملتقی'' میں اسی پر جزم کیا گیا ہے اور مصنف نے بھی انہیں کی پیروی کی ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد:03، ص:72-171 ملخصاً)

پھنسا ہوا یا ڈوبا ہوا قرض زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوتا:

اگر مقروض نادہند اور نادار ہے تو قرض میں پھنسی ہوئی رقم کے لئے یہ نیت کر لینا کہ وہ زکوٰۃ میں عنداللہ شمار ہو جائے، ایسی نیت کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی سوائے اس کے کہ ابتدا میں نادار کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی ہو۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب اُسے زکوٰۃ کی رقم دے دے اور مقروض اس رقم کا مالک بن کر ادائے قرض میں اسے واپس کر دے، یہ شرعاً جائز ہے۔

رہن رکھے ہوئے مال پر زکوٰۃ نہیں:

جو مال گروی (رہن) رکھا گیا ہو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں، نہ مال کے مالک پر اور نہ ہی اس شخص پر جس کے پاس مال گروی رکھا گیا ہے۔ رہن میں مال دینے والا اس وقت مال سے فائدہ اٹھانے سے قاصر ہے اور مال لینے والا اس مال کا قانونی مالک نہیں ہے۔ اسی طرح بینکوں میں بطور ضمانت رکھوائی جانے والی رقوم پر بھی زکوٰۃ لازم نہیں۔

بطور زرِ ضمانت جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں:

ٹیلیفون، گیس اور بجلی کی کمپنیوں کے پاس بھی کچھ زرِ ضمانت (Guarantee Money) کی رقم جمع ہوتی ہے

اور کرائے دار کا مالک مکان کے پاس جو زرِ ضمانت جمع ہوتا ہے، یہ سب اس اصول کے تحت وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہیں۔

تعلیمی اداروں میں بطور سیکورٹی رقم کی زکوٰۃ:

تعلیمی اداروں میں داخلے کے وقت طلباء سیکورٹی فیس کے طور پر کچھ رقم جمع کراتے ہیں۔ پرائیویٹ اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں بھاری رقمیں وصول کی جاتی ہیں، جو فراغت کے وقت یقینی طور پر واپس مل جاتی ہیں۔ جس طرح رہن رکھی ہوئی رقم قابلِ زکوٰۃ نہیں، اُسی پر اِسے قیاس کرتے ہوئے جب تک یہ رقم ادارے کے پاس رہے گی، قابلِ زکوٰۃ شمار نہیں ہوگی، ملنے کے بعد ان پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

بطور بیعانہ دی گئی رقم پر زکوٰۃ:

زمینوں کے بیعانوں کا بھی یہی حکم ہے کہ بطور بیعانہ پیشگی وصول کی ہوئی رقم کی زکوٰۃ زمین بیچنے والے کے ذمے ہے۔ اسی طرح تعمیراتی کمپنیاں، پلازوں کی دکانوں یا مکانات کے عوض میں بطور ایڈوانس رقوم وصول کرتی ہیں جب کہ دکان یا مکان کا قبضہ دو چار سال بعد دیا جاتا ہے۔ اس ایڈوانس رقم کے چونکہ وہ قانونی مالک ہوتے ہیں اور اس پر ان کا قبضہ بھی ہوتا ہے اور تصرُّف (یعنی استعمال میں لانا) بھی کر سکتے ہیں، لہٰذا اس کی زکوٰۃ بلڈر یا ڈیولپر (Developer) پر ہوگی۔

پگڑی کے طور پر دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ:

پگڑی کے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث یہاں ہمارے موضوع کا حصہ نہیں ہے، دکان یا مکان کرایہ پر حاصل کرنے کے لئے بھاری رقوم بطور پگڑی دی جاتی ہیں، جن کی واپسی عملاً نہیں ہوتی۔ عرف میں اِسے واپس کرنے کا رواج ہے اور نہ ہی دکان یا مکان خالی کرتے وقت مالک مکان سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے بلکہ کرایہ دار نئے کرایہ دار سے اتنی یا اس سے زیادہ رقم ملنے کی شرط پر دکان کا قبضہ دیتا ہے۔ اس طرح مالک کو دی گئی رقم اسی کے قبضے میں رہتی ہے اور اسے اس کا مالک سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اس رقم کی زکوٰۃ دکان یا مکان کے مالک پر ہے۔

شیئرز پر زکوٰۃ کا مسئلہ:

سرمائے کی ایک نئی شکل کمپنیوں کے حِصص (Shares) ہیں، جب کوئی آدمی کسی کمپنی میں شرکت کے لئے

سرمائے کی ایک نئی شکل کمپنیوں کے حِصَص (Shares) ہیں، جب کوئی آدمی کسی کمپنی میں شرکت کے لئے اسے اپنا سرمایہ دیتا ہے تو کمپنی حصے دار (Share Holder) کو ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہے، جو اس بات کی سند یا رسید ہوتی ہے کہ اس شخص کا کمپنی میں کس قدر حصہ ہے۔

پبلک لمیٹڈ کمپنیوں کے حِصَص (Shares) کی خرید وفروخت بازارِ حِصَص (Stock Market/Stock Exchange) میں ہوتی ہے۔ حِصَص خریدنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں:
(۱) وہ لوگ جو کمپنی کے شریک بن کر رہنا چاہتے ہیں۔ Divident کی صورت میں کمپنی جو منافع شرکاء میں تقسیم کرتی ہے، وہ اس کے حق دار ہوتے ہیں اور اپنی شراکت داری کمپنی کے ساتھ جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ کمپنی کے جامد اثاثہ جات (Fixed Assets) کی مالیت کا فیصد تناسب کمپنی کے کل اثاثہ جات کے ساتھ کیا ہے؟۔ فرض کیجئے کہ جامد اثاثہ جات کا تناسب کمپنی کے کل اثاثوں کا چالیس فیصد ہے، تو ایسی صورت میں شیئر کی Face Value نہیں بلکہ بازاری قیمت فروخت (Market Value) نکال کر اس کا چالیس فیصد منہا کر کے بقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۲) وہ لوگ جو کمپنی کے شیئرز کاروباری مقصد کے لئے خریدتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر Stock Exchange میں ہوتا ہے، تو یہ مالِ تجارت ہے اور اس کی کل بازاری قیمتِ فروخت (Market Value) پر زکوٰۃ شراکت دار (Share Holder) پر واجب ہوگی۔

پرائز بانڈز پر زکوٰۃ:

سرمایہ محفوظ رکھنے اور اُسے بڑھانے کا ایک ذریعہ پرائز بانڈز ہیں۔ یہ ایک ایسی سرکاری دستاویز ہے، جسے کسی بھی وقت بینک سے کیش کرا سکتا ہے۔ اس لئے نوٹ کی طرح اس پر بھی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

مکانات، دکانوں، فلیٹوں اور پلاٹوں پر زکوٰۃ:

ذاتی استعمال کا مکان زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح ذاتی مکان کے لئے خریدا ہوا پلاٹ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ وہ مکانات، پلاٹ، دکانیں اور فلیٹ جو کرائے پر چڑھے ہوئے ہیں، ان کی سالانہ آمدنی مصارف وضع کرنے کے بعد جائیداد کے مالک کی مجموعی سالانہ آمدنی میں جمع ہوگی اور تمام ذرائع آمدن سے سال کے اختتام پر جو رقم پس انداز ہوگی، اُس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جبکہ مقدار نصاب کو پہنچتی ہو۔ ایسے مکانات،

پلاٹ، دکانیں یا فلیٹ جو کاروباری اور تجارتی مقاصد کے لئے ہیں، یعنی نفع کمانے کی غرض سے خریدے گئے ہیں، ان سب کی مالیت پر زکوٰۃ ہے اور اس میں قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہے بلکہ موجودہ قیمتِ فروخت (Market Value) کا اعتبار ہوگا۔ سرمایہ کاری (INVESTMENT) کے طور پر پلاٹ اور جائیدادیں خریدنے والوں کے لئے یہ سب سے زیادہ قابلِ توجہ مسئلہ ہے۔
وہ پلاٹس یا مکانات جو اولاد کو ہبہ کرنے کی نیت سے رکھے ہوئے ہیں، ان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ یہ مالِ تجارت نہیں ہے۔ نیت کا معاملہ بندے اور رب کے درمیان ہے، اور ان پلاٹس یا مکانات کو بیچا، تو اس وقت اُس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یعنی وہ رقم اس کے پاس پہلے سے موجود رقم میں مل جائے گی اور پہلے سے جاری سال پورا ہونے پر کل رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

استعمال کے زیورات پر زکوٰۃ:

سونا اور چاندی از روئے شریعت خلقی طور پر (In Born) مال ہیں، لہٰذا یہ کسی بھی ہیئت (Form, Shape) میں ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مثلاً برتن، مالیاتی سکے (Coins)، سونے یا چاندی کی ڈلی (Golden Bullion) اور استعمال کے زیورات وغیرہ۔

قیمتی ہیرے جواہرات پر زکوٰۃ:

قیمتی ہیرے (Diamond)، جواہرات (Jewelery) مثلاً زمرد، عقیق اور یاقوت وغیرہ اگر ذاتی استعمال میں ہیں، تو اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن اگر جوہری (Jeweler) کی دکان پر تجارت کے لئے ہیں، تو ان کی موجودہ مالیت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے قیمتی ہیرے و جواہرات خرید کر اس لئے رکھے ہوئے ہیں کہ زیادہ قیمت ملنے پر فروخت کرے گا، تو ان کی موجودہ قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔
علامہ علاء الدین حصکفی علیہ الرحمہ درمختار میں لکھتے ہیں:

اشتری شیئا للقنیة ناویا انه ان وجد ربحا باعه لا زکوٰة علیه۔

ترجمہ: ''ایک چیز مال محفوظ رکھنے کے لئے اس نیت کے کے ساتھ خریدی کہ اگر نفع ملے گا تو اسے بیچ دے گا، تو اس پر فی الوقت زکوٰۃ نہیں ہے''۔ (ردالمحتار علی الدالمختار، جلد: 03 ص: 181)

البتہ جب مال نقد اس کے پاس آجائے گا اور مقدارِ نصاب کے برابر ہے یا وہ پہلے سے صاحبِ نصاب ہے، تو جاری سال پورا ہونے پر اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اس حوالے سے احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

(۱)عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اِمْرَأَةً أَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، وَمَعَهَا اِبْنَةٌ لَهَا، وَفِيْ يَدِ اِبْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: أَتُعْطِيْنَ زَكَاةَ هٰذَا؟، قَالَتْ: لَا، قَالَ: "اَيَسُرُّكِ اَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟، قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا فَاَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ"۔

ترجمہ: ''عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے دو موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟۔ اُس نے عرض کی ''نہیں''، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تو کیا تم اس بات پر خوش ہوگی کہ اللہ تعالیٰ (زکوٰۃ نہ دینے کی بنا پر) ان کنگنوں کے عوض قیامت کے دن تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ (عذاب کی یہ وعید) سنتے ہی اس نے وہ کنگن اتار کر رسول اللہ ﷺ کو دے دیئے اور عرض کی: کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں (یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انہیں صدقہ کر دیں)''۔

(سنن ابی داؤد، جلد 2، رقم الحدیث: 1558، بیروت)

(۲)عَنْ اُمِّ سلمۃ قَالَتْ: كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِّنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اَكَنْزٌ هُوَ؟، فَقَالَ: مَابَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكَاتُهٗ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ،

ترجمہ: ''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سونے کے ''اوضاح'' (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی، میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ بھی اُس کنز میں شامل ہے (یعنی جس پر سورۃ توبہ آیت: ۳۴۔۳۵ میں جہنم کے عذاب کی وعید آئی ہے)؟۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب سونے کے زیورات اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور پھر ان کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو اُن پر کنز کا اطلاق نہیں ہوتا، (سنن ابی داؤد، جلد 2، رقم الحدیث: 1559)''۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استعمال کے زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ دونوں خواتین نے سونے کے زیورات پہن رکھے تھے۔

اگر سونا یا چاندی مخلوط (Mixed) ہو اور اُس میں کسی اور چیز کی ملاوٹ ہو، تو غالب جزو کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر اس مخلوط چیز میں غالب مقدار سونا ہے تو اسے سونا قرار دے کر ان کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور موجود بازاری قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوگا، قیمتِ خرید کا نہیں۔ اگر سونے کے زیورات میں نگینے جڑے ہوئے ہیں تو اُن زیورات کا وزن کرتے وقت نگینوں کا وزن وضع کیا جائے گا۔

بچوں کی شادی کے لئے مختص زیورات پر زکوٰۃ:

جو رقم والدین اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی کے لئے محفوظ رکھتے ہیں، اگر وہ نصاب کی حد کو پہنچ جائے تو اُس پر زکوٰۃ لازم ہے۔ اگر صاحب نصاب نے اپنے بالغ بیٹوں یا بیٹیوں کی شادی کے لئے زیورات بنوا کر رکھے ہوئے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ اس نے اولاد کو اس کا مالک بنادیا ہے، اس صورت میں اس بالغ بیٹے یا بالغہ بیٹی پر زکوٰۃ واجب ہے اگر اُن کی قیمت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے۔ دوسری یہ کہ بدستور اُس شخص کی اپنی مِلک میں ہیں تو اُس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے۔

شرعی اصول تو یہ ہے کہ بالغ اولاد کی روزمرہ ضروریات کے اخراجات والدین پر فرض نہیں ہیں، اسی اصول کے تحت بالغ لڑکوں کے نکاح کی ذمہ داری والدین پر عائد نہیں ہوتی بلکہ خود لڑکے اس کے مُکلّف اور ذمہ دار ہیں۔ ہاں! لڑکیوں کے نکاح سے متعلق شرعی تقاضا یہ ہے کہ نکاح کی دنیاوی رسومات اور غیر ضروری تکلفات سے ہٹ کر شرعی تقاضوں اور سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اُن کے نکاح کی ذمہ داری والدین پر ہے، اس مقصد کے لئے بھاری رقوم جمع رکھنا، جہیز کے نام پر دنیا بھر کی آسائشیں جمع کرنا شرعی تقاضا نہیں ہے اس کے باوجود اگر کوئی ایسا کرے تو ان مقاصد کے لئے جمع کی جانے والی رقوم حاجاتِ اصلیہ میں شامل نہیں ہیں۔ رہا نابالغ اولاد کی بنیادی ضروریات اور کفالت کا مسئلہ، تو یہ ذمہ داری شرعاً والد پر عائد ہوتی ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کی شادی کے لئے جو رقم جمع رکھتے ہیں، وہ اگر نصاب کو پہنچ جائے اور دیگر شرائطِ زکوٰۃ پائی جائیں، تو اس رقم، زیورات اور مال پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ ہاں اگر اولاد کو مالک بنادیا ہے اور زیورات مقدارِ نصاب سے کم ہیں اور بیٹا یا بیٹی صاحب نصاب نہیں ہیں، تو ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

نابالغ اولاد کے لئے مختص مال وزیورات پر زکوٰۃ:

کسی شخص کی نابالغ اولاد (بیٹا یا بیٹی) ہے اور وہ اُن کے لئے یا اُن کے نام پر زیورات، نقد رقم، مکان یا دوکان وغیرہ مختص کر کے رکھتا ہے اور نیت یہی ہے کہ اولاد کے بالغ ہونے پر انہیں تصرف کا بھی حق دے گا، تو اس مال پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے۔ اولاد کے بالغ ہونے پر شرعی شرائط پوری ہونے پر اُن پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر اولاد کے نام پر یہ مال وجائیداد محض حیلے کے طور پر ہے تو اللہ تعالیٰ نیتوں کا حال جاننے والا ہے، معاذ اللہ! اُسے فریب نہیں دیا جا سکتا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ترجمہ: ''اور اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، (ابراہیم: 38)''۔

حج کے لئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ:

اگر کسی نے حج کے لئے رقم جمع کر رکھی ہے اور نیت یہ ہے کہ اس رقم کو حج پر صرف کرے گا، تو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ البتہ اگر رقم حکومت کے پاس اس مَد میں جمع کرادی ہے، مگر ابھی تک قرعہ اندازی نہیں ہوئی اور یہ رقم حکومت کے پاس محض امانت کے طور پر ہے، تو بھی یہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا ہے تو جو رقم حکومت آمد و رفت کے کرائے، مُعلّم کی فیس، مکانات کے کرائے اور دیگر مصارف کے لئے وصول کرتی ہے، اتنی مقدار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اور جو رقم روانگی کے وقت حکومت حاجی کو ذاتی مصارف کے لئے زرِ مبادلہ کی شکل میں واپس لوٹاتی ہے، اگر وہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

حج کی درخواست جمع کراتے وقت جب رقم حکومت کے اکاؤنٹ میں جمع کرادی جاتی ہے تو اس رقم کا مصرف دو طرح ہوتا ہے:

(۱) رقم کا ایک حصہ حاجی کی آمد و رفت کے کرائے، مکانات کے کرائے، مِنیٰ وعرفات کے مصارف اور مُعلّم کی فیس وغیرہ کی غرض سے کاٹ لیا جاتا ہے۔

(۲) ان اخراجات سے بچ جانے والی رقم حج پر روانگی کے وقت بیرونی کرنسی کی شکل میں حاجی کو واپس کردی جاتی ہے۔ لیکن اس سال 1432ھ کے لئے حکومت نے قابل واپسی رقم حجاج سے نہیں لی۔ اور اعلان کیا ہے کہ حجاج روانگی کے وقت خود زرِ مبادلہ خریدیں گے۔

پہلی قسم کی رقم پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ یہ رقم مذکورہ خدمات کے عوض میں بطورِ پیشگی ادا کی گئی شمار ہوگی اور پیشگی ادا کی

گئی رقم، ادا کرنیوالے کی ملکیت میں نہیں رہتی بلکہ وصول کرنے والے کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔
دوسری قسم کی رقم عازمِ حج کی ملکیت ہے اور اس کی حیثیت حکومت کو دیئے گئے قرض کی مثل ہے، اس لئے روانگی کے وقت حاجی کو واپس کر دی جاتی ہے، لہٰذا اس رقم پر زکوٰۃ لازم ہے بشرطیکہ دیگر شرائطِ زکوٰۃ پائی جائیں۔

حرفت میں استعمال ہونے والی اشیاء پر زکوٰۃ:

کسی خاص پیشے یا حرفت میں جو اشیاء استعمال ہوتی ہیں وہ دو طرح کی ہوتی ہیں: ایک وہ جو ہلاک یا تلف ہو جاتی ہیں، جیسے واشنگ فیکٹری یا لانڈری میں صابن یا واشنگ پاوڈر وغیرہ، اُن پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ دوسری وہ اشیاء جن کا مصنوع (Product) میں اثر قائم رہتا ہے یا وہ خود موجود رہتی ہیں، جیسے فنِ طب، حکمت اور دوا سازی میں استعمال ہونے والی بوتلیں، شیشیاں وغیرہ جن میں دوا بھر کے بیچی جاتی ہے اور رنگریز کی دکان پر کپڑے کو رنگنے کا رنگ وغیرہ، ان چیزوں کے اسٹاک پر زکوٰۃ ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ:

مکمل ملکیت کی شرط ہی سے یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ سرکاری محکموں اور پرائیویٹ کمپنیوں میں ملازمین کی تنخواہوں سے ہر ماہ کچھ رقم بطور فنڈ کاٹ لی جاتی ہے اور مدتِ ملازمت کی تکمیل یا ریٹائرمنٹ سے پہلے ملازمت چھوڑنے پر طے شدہ قواعد کے مطابق محکمے یا کمپنی کی طرف سے کچھ رقم مزید ملا کر ملازم کو دی جاتی ہے دوران ملازمت بھی قواعد کے مطابق ملازم اپنے اس محفوظ فنڈ سے بطور قرض رقم لے سکتا ہے جو کبھی تو اقساط کی صورت میں واپس کرنا ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ یہ رقم چونکہ ملازم کی مِلک میں نہیں آتی بلکہ اُس محکمے یا ادارے کے پاس ہی جمع رہتی ہے اور ملازم اس میں اپنی مرضی سے تصرُّف بھی نہیں کر سکتا، تو جب تک جی۔ پی فنڈ کی رقم ملازم کے اکاؤنٹ میں نہیں آجاتی یا اُسے وصول نہیں ہو جاتی اور اس پر اُسے ملکیت و قبضہ حاصل نہیں ہو جاتا، وہ اس کا مال اور نصاب ہی نہیں، کیونکہ محکمہ یا کمپنی اس فنڈ پر ملازم کا صرف حق تسلیم کرتی ہے اور اسے اپنے اوپر واجب الادا سمجھتی ہے۔ اسے واجب الادا قرار دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ملازم کو اس فنڈ کا اُس وقت مالک بنایا جائے گا اور اس کے قبضے میں دیا جائے گا جب وہ ریٹائرمنٹ کی شرائط پوری کر لے گا۔
اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس رقم پر مکمل قبضہ اور تصرُّف حاصل نہ ہو، اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی اور قبضہ حاصل ہونے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

جی۔پی فنڈ کی وصولی کے وقت اگر ملازم کے پاس پہلے سے نصاب کے مطابق نقد رقم موجود ہو تو جی۔پی فنڈ سے ملنے والی رقم کو بھی اس کے ساتھ شامل کر لیا جائے گا اور جب پہلے سے موجود رقم کا سال مکمل ہوگا تو اس کا بھی سال مکمل سمجھا جائے گا اور رقم کے اس مجموعے سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اگر فنڈ کی وصولی سے پہلے ملازم صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس فنڈ پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جی پی فنڈ میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ:

گورنمنٹ ملازمین کی تنخواہ سے جی پی فنڈ کی کٹوتی لازمی ہوتی ہے، اس میں ملازم کا اختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی ملازم اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ ضرورت کے لئے اگر ملازم اپنے جی پی فنڈ سے رقم نکلواتا ہے، تو اسے واپس جمع کرنی ہوتی ہے اور اس پر اس سے سود بھی وصول کیا جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ریٹائرڈ ملازم کو رقم ملنے سے پہلے اس رقم پر زکوٰۃ عائد ہوگی یا نہیں؟۔

سطورِ ذیل میں ہم جی پی فنڈ کے ایک قانون کا حوالہ درج کر رہے ہیں:

provident fund shall not in any way be capable of being assigned of charged and shall not be liable to attachment under any decree of order of any civil revenue of criminal court in respect of any debt of liability incurred by the subscriber of depositor and neither the official assignee nor any receiver appointed under the provincial insolvency act, 1920, shall be entitled to, or have any claim on any such compulsory deposit.

یہ عبارت قانونی اصطلاحات پر مشتمل ہے اس کا مفہوم یہ ہے:

''فرض کیجئے کہ ایک سرکاری ملازم کے پراویڈنٹ فنڈ میں رقم جمع ہے اور اس کے ذمے کسی کے مالی واجبات ہیں، جن کی ڈگری کسی دیوانی یا فوجداری عدالت نے جاری کی ہے اور عدالت نے اپنے حکم میں کہا ہے کہ ان واجبات کے عوض اس کی تمام جائیداد قُرق کر لی جائے اور اُسے فروخت کر کے اس کے ذمے جو واجبات ہیں وہ ادا کئے جائیں یا اس شخص پر اتنے مالی دعوے (Claims) ہیں کہ جن کی وجہ سے اسے عدالت نے دیوالیہ

(Insolvent) قرار دے دیا ہے اور اُس کی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور زیرِ ملکیت مال عدالت نے اس کے تصرف سے نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور اس پر ایک عدالتی ناظر یا نگران (Assignee) مقرر کر دیا گیا ہے تاکہ اس کی جائیداد فروخت کر کے اس کے قرض خواہوں کے واجبات وصول کیے جائیں۔ ان سب کے باوجود Provincial Insolvecy Act, 1920 کے تحت اس کا جمع کیا ہوا پراویڈنٹ فنڈ بالکل محفوظ رہے گا۔ اُس میں سے کسی کے مالی واجبات وصول کیے جا سکیں گے اور نہ ہی بحق سرکار یا قرض خواہوں کے حق میں اسے ضبط کیا جا سکے گا"۔

اس قانون کی رو سے جب تک جی پی فنڈ ملازم کو مل نہیں جاتا، اِس پر اُس کی مِلک تام نہیں ہے۔ چنانچہ قانون میں درج ہے کہ اگر مُجاز عدالت ایسے شخص کو دیوالیہ قرار دے دے اور اس کی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور تمام زیرِ ملکیت مال قرق کرنے اور عدالت کی تحویل میں لینے کا حکم جاری کر دے، تو بھی اُس کا جی پی فنڈ بالکل محفوظ رہے گا، اُسے قرض خواہوں کے حق میں ضبط کیا جا سکے گا اور نہ ہی بحق سرکار ضبط کیا جا سکے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جی پی فنڈ ملازم کی مِلک تام نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے پاس جمع شدہ جی پی فنڈ پر زکوٰۃ عائد ہونے کا حکم لگایا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ اُن کے سامنے جی پی فنڈ سے متعلق قانون کے تمام پہلو صحیح طور پر بیان کیے گئے ہوں گے یا نہیں؟۔ میرا گمان یہ ہے کہ اگر مندرجہ بالا قانونی پوزیشن اُن پر واضح کی گئی ہوتی، تو وہ اِس کے برعکس رائے دیتے۔ تاہم امامِ اہلسنت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ مع سوال ذیل میں درج کر رہے ہیں تاکہ ہمارے عہد کے مفتیانِ کرام اور فقہاءِ کرام غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ دیں کہ ہمیں بہر صورت امامِ اہلسنت کے فتوے کو اختیار کرنا چاہیے یا قانون کے مندرجہ بالا پہلو کے پیشِ نظر اس پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے، ہم نہایت دیانت کے ساتھ معاصر مفتیانِ کرام کے سامنے یہ مسئلہ پیش کر رہے ہیں اور جس رائے پر ہمارے مستند و ثقہ مفتیانِ کرام کی اجماعی یا اکثریتی رائے ہوگی، ہم بھی اُسی جانب رجوع کریں گے۔

امام احمد رضا قادری قدس سرّہ العزیز سے سوال کیا گیا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ تخمیناً بیس سال سے ریلوے کمپنی کے یہاں ملازم ہے اور ریلوے اپنے قاعدے کے موافق بشمول دیگر ملازمان کے زید کی تنخواہ ماہواری سے ایک آنہ

چار پائی فی روپیہ بطور ضمانت مجرا کرلیتی ہے اور بعد چھ ماہ کے اس روپے کوکسی دوسری تجارت وغیرہ میں لگادیتی ہے، درصورت نفع ونقصان کے رسدی کی بیشی کر کے پھر ششماہی پر رسید دے دیتی ہے، ابتدا میں ایک روپیہ دوآنہ مجرا ہوتا تھا، جُوں جُوں تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی اس میں بھی اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ اب مبلغ تین روپے ماہوار مجرا کیا جاتا ہے اور اب اصل تعداد مبلغ پانچ سو کی ہوگئی ہے اور کل تعداد ایک ہزار سے زائد ہوگئی ہے، جس وقت زید ملازمت سے علیحدہ ہوگا اس وقت اس کو اور اس کے ورثا کو وصول ہوگا بشرطیکہ میعادِ ملازمت اچھے طریقہ پر ختم ہوجائے اور کوئی قصور وغیرہ واقع نہ ہو، مگر پانچ سو روپے جو اصلی ہے اس میں کسی طرح اندیشہ نہیں ہے سوا اس کے کہ درمیان ملازمت کے روپے وصول ہونا ناممکن ہے جب تک ملازمت سے مستوفی نہ ہو، از روئے شریعت اس روپے پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت سے دی جائیگی؟ اصلی تعداد پر دی جائے گی یا کل روپے پر؟ اور نصابِ زکوٰۃ کس قدر اور اس پر مقدارِ زکوٰۃ کیا ہے؟ بینوا توجروا''۔

امام اہلسنت نے جواب میں لکھا:

''جب سے وہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوتی مال کے جو زید کے پاس ہے، قدر نصاب یعنی ۵۶ روپے تک پہنچا اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اس پر سال گزرا اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدیدہ زکوٰۃ واجب ہوتی رہی، ہاں اگلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس سال جمع میں سے اتنا کم کرلیں گے کہ اتنا اس پر اللہ تعالیٰ کا دین ہے باقی مع جدید مقدار سال حال پر زکوٰۃ آئے گی، تیسرے سال کی جمع میں سے دو برس گزشتہ کی زکوٰۃ واجب شدہ مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے، اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا اور امسال کا اضافہ شامل ہوگا، اخیر تک یونہی کرینگے، تجارت میں وہ روپیہ اگر اس کی اجازت سے لگایا جاتا ہے تو اس کا منافع شامل ہوگا اس طور پر زکوٰۃ سال بہ سال واجب ہوا کرے گی، مگر اس روپیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب وہ وصول ہوگا، اور جو

اضافہ کمپنی سود کے طریقے پر کرتی ہے اس پر بھی زکوۃ نہ ہوگی، نہ وہ اس کی مِلک ہے نہ اسے سود کی نیت سے کسی طرح جائز ہے، ہاں بعد ختم اگر کمپنی بطور خود اس کو وہ اضافہ دے اور کمپنی میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو یہ اس اضافہ کو اس نیت سے لے سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم جماعت ایک مال بخوشی دیتی ہے، یوں مال مباح سمجھ کر لے سکتا ہے سود کی نیت نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رضویہ، جلد 10، ص: 58-157، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن)''۔

گورنمنٹ کے پاس جمع شدہ جی پی فنڈ پر زکوۃ عائد نہ ہونے کا مسئلہ ہم نے صرف سرکاری ملازمین کے جی پی فنڈ کے بارے میں بیان کیا ہے۔ ایسے پرائیویٹ ادارے اور کمپنیاں جن کے پاس اپنے جمع شدہ جی پی فنڈ میں سے ملازم کو جب چاہے اور جتنا چاہے (کل رقم یا اُس کا کوئی حصہ) نکالنے کا اختیار ہوتا ہے اور اُس پر یہ رقم کل یا جزمع سود یا بلا سود واپس جمع کرنے کی پابندی نہیں ہوتی، تو اُس جی پی فنڈ پر ملازم کا مِلک تام متصور ہوگا اور پہلے سے صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں یا اس جمع شدہ رقم کے بقدرِ نصاب ہونے کی صورت میں اس پر زکوۃ عائد ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆

عُشر کا بیان

عُشر کا مفہوم:

لفظِ عُشر کے معنی ہیں: ''دسواں حصہ''۔شریعت کی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ نے شرعی واجبات کی جو تفصیل بیان فرمائی اُن میں سے زمین کی پیداوار کے دسویں حصے کو''عُشر'' کہتے ہیں، جو زمین کی زکوٰۃ ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اگر زمین بارانی ہو یعنی بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو، تو اس پیداوار کا دسواں حصہ (یعنی دس فیصد) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا واجب ہے، یہی زمین سے پیدا ہونے والے زرعی سرمائے کی زکوٰۃ ہے۔

(۲) اگر زمین کو خود سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ (یعنی پانچ فیصد) صدقہ کرنا واجب ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زرعی پیداوار پر عُشر کا کوئی کم از کم نصاب مقرر نہیں ہے، پس زمین سے جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو، اُس پر عُشر (دس فیصد) یا نصف عُشر (پانچ فیصد) واجب ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ، ترجمہ: ''درخت جب پھل دے تو اُس پھل سے کھاؤ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو، (الانعام: 141)''۔

سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔

ترجمہ: ''جس زمین کو بارش یا چشموں نے سیراب کیا ہو، یا اس زمین نے خود اپنی رگوں سے پانی لے لیا، اُس میں عُشر ہے۔ اور جس زمین کو کنویں کے ڈولوں سے سیراب کیا گیا، (ایسی زمین کو آج کل نہری زمین Irrigation land کہتے ہیں) اُس میں نصف عُشر ہے، (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1483)''۔

عُشر کے وجوب میں دیگر ائمہ کا نظریہ:

امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور تمام اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ پھلوں اور غلّہ میں زکوٰۃ اُس وقت واجب ہوتی ہے، جب اُن کی مقدار پانچ وسق کو پہنچ جائے، البتہ

امام ابوحنیفہ اور مجاہد کہتے ہیں: قلیل اور کثیر سب میں زکوٰۃ (عُشر) واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عام ہے: ''فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ''، ترجمہ: ''جس زمین کو بارش سیراب کرے، اُس میں عُشر (واجب) ہے''۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا نظریہ:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک زرعی پیداوار کا کوئی نصاب (مُقرر) نہیں ہے، زمین سے جس قدر پیداوار حاصل ہو گی، سب پر عُشر (دس فیصد) یا نصف عُشر (پانچ فیصد) واجب ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے اور جو کچھ زمین سے ہم نے تمہارے لئے نکالا ہے، اُس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، (البقرہ: 267)''۔

حدیث پاک میں ہے:

(۱) عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ، أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا، الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو، اس پر عُشر (واجب) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے، اُس پر نصف عُشر ہے، (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1483)''۔

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْغَيْمُ، الْعُشُورُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ''۔

ترجمہ: ''جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے، اُس پر عُشر (دسواں حصہ) ہے اور جس زمین کو کنویں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے، اُس پر نصف عُشر (بیسواں حصہ) ہے، (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2161)''۔

زمین کی تین قسمیں ہیں: (۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی

عُشری زمین سے پیداوار کا دسواں حصہ لیا جاتا ہے اور جو زمین خراجی ہو، اُس سے خراج لیا جاتا ہے، عُشر کی ادائیگی عبادت ہے اور یہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے جبکہ خراج اصلاً غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے۔

پاکستان کی زمینیں عُشری ہیں:

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: ''جو زمینیں پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت میں ہیں، اُن پر قطعیت کے ساتھ عُشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے، کیونکہ جب سلاطین اسلام نے ابتداءً ہندوستان کے اس حصے کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کون سی صورت اختیار کی تھی، بعض صورتیں عُشری زمین کی ہیں اور بعض خَراجی زمین کی اور جو زمینیں مسلمانوں کے زیرِ تصرُّف ہوں اور ان کے متعلق عُشری یا خراجی ہونا یقینی اور مُتحقّق نہ ہو، اُن کو عُشری زمین پر محمول کیا جائے گا۔ علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں: ''ہر وہ شہر جس کے رہنے والے بخوشی مسلمان ہوئے، اُس کی زمین عُشری ہے، کیونکہ مسلمانوں کے مسلمانوں پر وظیفہ (زمین کا محصول)، مقرر کرنے کی ابتداء خراج سے نہیں کی جائے گی تا کہ مسلمان کو ذلت سے محفوظ رکھا جائے لہٰذا ان پر عُشر ہوگا، (المبسوط، جلد 3، ص: 7)''۔ لہٰذا جب پاکستان بنا اور مسلمان مسلمانوں پر حاکم ہوئے تو یہاں کے کاشتکاروں سے زراعت کرنے کے وظیفہ کی ابتداء بھی عُشر سے کی جائے گی نہ کہ خراج سے، کیونکہ عُشر اصالۃً مسلمانوں کا فریضہ ہے اور خراج اصالۃً کافروں پر ہے۔ اِسی طرح حکومتِ پاکستان نے جو زمینیں مسلمانوں کو الاٹ کر دیں یا اُن کو بطور عطیہ دیں یا کسی کارگزاری یا خدمت کے معاوضہ میں دیں، وہ بھی عُشری ہیں، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''جس زمین کو مالِ غنیمت حاصل کرنے والوں (مجاہدین) کے غیر میں ہماری حکومت تقسیم کرے، وہ بھی عُشری ہے کیونکہ مسلمان پر ابتداءً خراج مقرر نہیں کیا جاتا، (ردالمحتار، جلد 3، ص: 254)''۔ (تبیان القرآن، جلد 1، ص: 1009)

عُشر کی ادائیگی کے اعتبار سے پھر زمین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بارانی زمین (۲) غیر بارانی یا نہری زمین (IRREGATED LAND)

بارانی زمین:

جس میں کاشت کار کو موسمی اور علاقائی خصوصیات کی وجہ سے زمین کو سیراب کرنے میں بہت زیادہ محنت و مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، سیرابی کے لئے کاشتکار کو ٹیوب ویل، وغیرہ لگانے اور اس پر سرمایہ خرچ کرنے کی

ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ وہ بارش کے پانی، قدرتی چشموں، زمین کی نمی اور دریاؤں کے پانیوں کی وجہ سے ازخود سیراب ہوتی رہتی ہے، ایسی زمین کی پیداوار پر عُشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ عائد کیا گیا ہے۔

البتہ پہاڑی ندی نالوں میں بارش اور قدرتی چشموں کا پانی ہوتا ہے اور اُن کے اَطراف کی زمین کا کچھ حصہ سیراب ہوتا ہے، وہ زمین بارانی کہلائے گی۔ آج کل بڑے دریاؤں پر ڈیم یا بیراج بنا کر نہریں نکالی جاتی ہیں اور اُن کے ذریعے جو زمین سیراب ہوتی ہے، چونکہ زمیندار یا کاشتکار کو اُس پانی کا آبیانہ (Irrigation Tax) دینا پڑتا ہے لہٰذا اس طرح دریائی پانی کے استعمال والی زمینیں بارانی نہیں رہیں، بلکہ نہری زمینیں بن گئی ہیں اور یہ غیر بارانی ہیں۔

غیر بارانی زمین:

جس کو سیراب کرنے کے لئے کاشتکار کو مشقت کے ساتھ ساتھ محنت کے ذریعے یا قیمتاً پانی حاصل کرنا پڑے، مثلاً ٹیوب ویل یا رہٹ کے ذریعے پانی حاصل کرتا ہے یا پانی کے حصول کے لئے پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے یا نہری پانی کا ٹیکس یا آبیانہ دیتا ہے، اُس پر آدھا عُشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ (یعنی پانچ فیصد) مقرر کیا گیا ہے۔

عُشر واجب ہونے کے لئے عقل اور بلوغت شرط نہیں ہے، بلکہ نابالغ اور مجنون کی زمین میں جو کچھ پیدا ہو، اُس پر بھی عُشر واجب ہے۔

عُشر کے لئے سال گزرنا بھی شرط نہیں ہے۔ سال میں چند بار ایک کھیت میں زراعت ہوئی تو ہر بار عُشر واجب ہے۔ پورا قمری سال گزرنے کی شرط کا تعلق سونے، چاندی، نقد رقوم، سامانِ تجارت اور مویشیوں سے ہے۔ زرعی پیداوار، پھلوں، شہد اور کانوں یا زمین سے نکلنے والی چیزوں پر سال گزرنے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ زرعی پیداوار کی کٹائی اور پھلوں کے اتارے جانے پر ہی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ عُشر واجب ہونے میں نصاب بھی شرط نہیں ہے، ایک صاع بھی پیداوار ہو تو عُشر واجب ہے۔

عُشر ادا کرنے سے پہلے پیداوار کا استعمال:

جب تک پیداوار کا عُشر ادا نہ ہو جائے، اُس میں سے کچھ استعمال نہیں کیا جا سکتا، اگر استعمال کر لیا تو جو عُشر کی مقدار بنتی ہے، اُتنا تاوان دینا ہوگا، البتہ اگر تھوڑا استعمال کیا تو معاف ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَلَا یَأْکُلُ شَیْئًا مِّنْ طَعَامِ الْعُشْرِ حَتّٰی یُؤَدِّیَ عُشْرَہٗ کَذَافِی "الظَّہِیْرِیَّۃِ"۔
ترجمہ: ''عُشر ادا کرنے سے پہلے (مالک کو) عُشر کے مال سے کھانا جائز نہیں جب تک کہ اُس کا عُشر ادا نہ کردے، ''ظہیریہ'' میں اسی طرح ہے، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 187)''۔

عُشر اصل پیداوار پر مصارف وضع کیے بغیر ادا کیا جائے گا:

جس چیز میں عُشر یا نصف عُشر واجب ہے، اُس میں کل پیداوار کا عُشر یا نصف عُشر لیا جائے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ بیج، کاشت کے مصارف، (ہل بیل وٹریکٹر وغیرہ)، کھاد، آبیانہ حفاظت کرنے والے اور کام کرنے والوں کی اجرت، کٹائی اور گاہنے کے مصارف وغیرہ کی قیمت نکال کر باقی کا عُشر یا نصف عُشر دیا جائے، علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: (بِلَا رَفْعِ مُؤَنٍ) اَیْ کُلَفِ (الزَّرْعِ) وَبِلَا اِخْرَاجِ الْبَذْرِ لِتَصْرِیْحِھِمْ بِالْعُشْرِ فِیْ کُلِّ الْخَارِجِ۔
ترجمہ: ''کاشت کاری کی محنت (وضع کیے) بغیر اور بیج وغیرہ کے اخراجات نکالے بغیر کل پیداوار سے عُشر یا نصف عُشر لیا جائے گا کیوں کہ علماء نے کل پیداوار سے عُشر نکالنے کی صراحت فرمائی ہے''۔
علامہ ابن عابدین شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اَیْ یَجِبُ الْعُشْرُ فِی الْاَوَّلِ وَنِصْفُہٗ فِی الثَّانِیْ بِلَا رَفْعِ اُجْرَۃِ الْعُمَّالِ وَنَفَقَۃِ الْبَقَرِ وَکَرْیِ الْاَنْھَارِ وَاُجْرَۃِ الْحَافِظِ وَنَحْوِ ذٰلِکَ "دُرَر"۔
ترجمہ: ''پہلی (یعنی بارانی زمین کی پیداوار) میں عُشر اور دوسری (یعنی نہری یا آب پاشی والی زمین کی پیداوار) میں نصف عُشر ہے، زرعی کارکنوں (یعنی ہاریوں) کی اجرت، بیلوں کا خرچ، نہروں کی کھدائی اور چوکیدار کی اجرت وغیرہ وضع کیے بغیر کل پیداوار میں سے لازم ہے، بحوالہ ''دُرَر''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 3، ص: 245، بیروت)

عُشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اُس کھیتی میں بھی واجب ہے جو جانوروں کے چارہ کے لئے ہے اور غلّہ یا چارہ اس میں پیدا ہو، کیونکہ اس کا زمین سے نفع حاصل کرنا مقصود ہے۔ بعض زمینوں پر صرف چارہ ہی کاشت ہوتا ہے اور اس کی باقاعدہ تجارت ہوتی ہے، اس طرح خاص قسم کی گھاس یا سبزہ کاشت کرکے برآمد کی جاتی ہے اور نہایت منفعت بخش ہے۔ پاکستان کے علاقے رحیم یار خان میں ایک زمیندار جہانگیر ترین کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اعلیٰ قسم کی گھاس کا فارم بنایا ہوا ہے اور بڑی مقدار میں مشرق وسطیٰ کو برآمد کرتے ہیں۔

یہاں تک ہم نے مسلمہ فقہی موقف بیان کیا ہے، جو ہمارے فقہاءِ کرام تسلسل سے بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔

مصارف پیداوار کے حوالے سے اہلِ فتویٰ کے لئے قابلِ غور مسئلہ:

ڈاکٹر وھبہ زوحیلی لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''کاشتکار عادۃً کاشت کے لئے اخراجات کرتا ہے، جیسے بیج، کھاد، ہل یا ٹریکٹر چلانے والے کی اُجرت، زمین کی سیرابی، کھیتی کی کانٹ چھانٹ اور فصل کی کٹائی اور گاہنا (Threshing) وغیرہ۔ جدہ کی فقہی کونسل میں فتویٰ نمبر: 15 میں قرار دیا گیا کہ اس مسئلے میں تین آراء ہیں:

(۱) تمام مصارف وضع کر کے عشر ادا کیا جائے۔

(۲) مصارف وضع کئے بغیر کل پیداوار پر عشر نکالا جائے

(۳) ایک درمیانی رائے یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کا ایک تہائی وضع کر کے باقی پر عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے اور شرکاء نے تیسری رائے کو ترجیح دی۔ اور یہ رائے شرح ترمذی میں ابن عربی کے کلام سے مستفاد ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث پر عمل ہو کہ ''دَعُوا الثُّلُثَ اَوِ الرُّبُعَ'' یعنی ایک تہائی یا چوتھائی چھوڑ دو، یہ مسئلہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی کتاب ''فقہ الزکوٰۃ'' سے مستفاد ہے (ص: 224، مترجم)۔ اور جس بات پر تمام مسلمانوں اور چاروں مذاہب کا عمل ہے جیسا کہ ابن حزم نے ''المحلی'' میں ذکر کیا اور فقہاء نے صراحت کی ہے کہ زمین کی پیداوار سے مصارف وضع کئے بغیر عشر ادا کرنا چاہئے، کیونکہ زکوٰۃ ارضی (یعنی عشر) کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (اور فصل کی کٹائی کے دن اُس کا حق ادا کرو)''۔ اور میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں، (الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد: 3، ص 94-1893)''۔

مندرجہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کا حاکم کی طرف سے عُشر وصول کرنے والوں کے لئے ارشاد ہے: ''عُشر کی مقدار کا تخمینہ لگاؤ اور پھر اُس سے تہائی یا چوتھائی چھوڑ دو''، یعنی ایک تہائی عشر اُس مال کے مالک کے پاس چھوڑ دو تاکہ وہ خود بھی (کسی حاجت مند کو) صدقہ دے سکے۔ قاضی خطاب نے کہا: عشر دینے والوں کے پاس عُشر کی ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دو تاکہ وہ اڑوس پڑوس میں رہنے والے مستحقین اور آنے جانے والے سائلین کو دے سکے''۔

(تحفۃ الاحوذی، جلد: 1، ص: 17)

علامہ ابوبکر محمد عبداللہ ابن عربی کا موقف:

''ہمارے علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا عشری زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ (یعنی عشر) وصول کرنے سے پہلے کاشت سے لے کر کٹائی اور گاہنے تک کے مصارف وضع کیے جائیں گے یا یہ سارے مصارف رَبُّ المَال کے حصے میں آئیں گے اور زکوٰۃِ عشر کل پیداوار سے وصول کی جائے گی؟۔

صحیح یہ ہے کہ پیداواری مصارف حساب میں آئیں گے۔کل پیداوار سے مصارف وضع کرنے کے بعد باقی پر عشر وصول کیا جائے گا اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تہائی یا چوتھائی (پیداوار) چھوڑ دو اور یہ پیداواری مصارف کی مقدار کے برابر ہے۔ہم نے تجربہ کیا ہے اور غالب صورتوں میں ہم نے ایسا ہی پایا، کیونکہ کچھ مقدار تیاری سے پہلے کھالی جاتی ہے اور مصارف نکال کر دو تہائی یا تین چوتھائی پیداوار رہ جاتی ہے، واللہ اعلم''۔

(عارضۃ الاحوذی، جلد:3،ص:116)۔ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

آج کل زمین کی کاشت (Sowing، اس میں ہل یا ٹریکٹر چلانے کے مصارف شامل ہیں)، بیج، کھاد، زمین کی نگہداشت و پرداخت، فصل پر جراثیم کُش دواؤں کا چھڑکاؤ (Spray) نہری زمین کی صورت میں آبیانہ، ٹیوب ویل، فصل کی کٹائی (Reaping) اور گاہنے (Threshing) وغیرہ کے جملہ اخراجات شامل ہیں۔اور اس ہوش رُبا گرانی کے دور میں یہ ناقابل برداشت ہیں، کھاد انتہائی مہنگی، ٹریکٹر اور ڈیزل مہنگا اور ہر قسم کی لیبر کی اجرت نہایت زیادہ ہے۔لہٰذا پیداواری اخراجات بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں زمین کی پیداوار سے وضع کر کے باقی پیداوار پر عشر وصول کرنا چاہیے تاکہ لوگ اسے بار نہ سمجھیں۔اِس دور کے اہلِ فتویٰ علماء کو اس مسئلے پر غور کرنا چاہیے۔

میں نے اپنے طلبہ سے کہا کہ اپنے علاقے کے کاشت کاروں سے معلوم کر کے بتاؤ کہ فی ایکڑ اخراجات اور پیداوار کا تناسب کیا ہے؟۔تو انہوں نے اپنے علاقوں سے گندم، کپاس اور گنّے کے اخراجات اور پیداوار کا جو تناسب مجھے بتایا، اس کے مطابق مصارف کل پیداوار کے چالیس فیصد کے برابر ہیں۔ہوسکتا ہے اس میں مبالغہ ہو، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید نہری یعنی غیر بارانی زمین کے کل پیداواری مصارف پیداوار کے کم از کم 20 فیصد کے برابر ہوں گے۔یہ تو اس صورت میں ہے کہ زمین کسی کی اپنی ملکیت ہو اور اگر زمین اجارے

یعنی ٹھیکے پر ہے، تو کاشت کار کو ٹھیکے کی رقم بھی مالک کو دینی ہوتی ہے، پس اس صورت میں پیداواری مصارف اور بڑھ جائیں گے،، کیونکہ زمین کا مالک تو اپنے اجارے (Lease) کی رقم وصول کر لیتا ہے اور اس کا باقی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مزارعت یا بٹائی (Sharecroping) کی زمین کا عشر:

علامہ ابوبکر مرغینانی لکھتے ہیں:

''امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مزارعت (یعنی بٹائی) پر زمین دینے کا عقد فاسد ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ خیبر کے ساتھ فصل اور پھلوں کی نصف پیداوار پر معاملہ کیا۔ یہ مضاربت کی طرح مال اور محنت کی شرکت کا عقد ہے، یعنی ایک فریق کا مال ہوتا ہے اور دوسرے کی محنت اور فریقین کو اس کی حاجت ہے، (الہدایہ، جلد: 7، ص: 99)''۔

امام اعظم کے نزدیک فساد کا سبب مجہول یا معدوم پر اجر ہے۔ اور صاحبین کے استدلال کی بنیاد حدیث ہے اور حاجت بھی کہ کبھی ایک شخص کے پاس زمین ہوتی ہے لیکن وہ کام کا اہل نہیں ہوتا۔ او جو کاشت کاری کا کام کر سکتا ہے، اس کے پاس زمین نہیں ہوتی۔ البتہ معلوم اجرت پر مزارعت امام اعظم کے نزدیک بھی جائز ہے۔ مزارعت میں پیداوار کی تقسیم کا تناسب فریقین کے رضامندی سے طے پا سکتا ہے۔

زمین اگر بٹائی پر ہے، تو مالک اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے حصے کا عشر واجب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر نکال لیا جائے اور پھر طے شدہ تناسب (Ratio) کے مطابق آپس میں تقسیم کر لیں۔

اگر زمین ٹھیکے پر دی ہے تو یہ اجارہ ہے۔ زمین کے مالک پر اُس کے دیگر اموال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ہے۔ اور جس نے زمین ٹھیکے یا اجارے پر لی ہے، اس پر کل پیداوار کا عشر لازم ہے۔ اگر زمیندار نے عشر ادا کرنے کے بعد غلہ فروخت کر دیا اور یہ مال اُس کے مالِ تجارت یا دیگر اموال کے ساتھ جمع ہو گیا تو اُسے اُس کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ علامہ مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ نوریہ، جلد دوم، ص: 154 پر اسی طرح لکھا ہے۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

اجارہ یعنی ٹھیکے پر دی ہوئی زمین کے بارے میں فقہاءِ کرام کی دو آراء ہیں:

(۱) امام اعظم کا مسلک ہے کہ زکوٰۃ (عشر) مُؤجر (Lessor) یعنی زمین کے مالک پر ہے۔ کیونکہ یہ اس کی

کمائی (مال خرچ کرنے) کا ثمر ہے اور اس کا بدل یا معاوضہ (اجارے یا ٹھیکے کا مال) ہے۔ گویا اس نے خود ہی اسے کاشت کیا اور عشر کے واجب ہونے کی بنیاد زمین ہے۔

(۲) صاحبان (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا مسلک یہ ہے کہ عشر مُستاجر (Lessee) پر ہے۔ لیکن فتویٰ امام کے قول پر ہے اور اسی پر عمل ہے اور یہی ''ظاہر الروایہ'' ہے۔ اور چونکہ زکوٰۃ مُستاجر (Lessor) پر ہونے سے فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، تو اُسی پر واجب ہے۔ اور متاخرین کا فتویٰ اسی پر ہے۔ نوٹ: مُستاجر پر عشر واجب ہونے میں فقراء کا فائدہ اس معنی میں ہے کہ عُشر کل پیداوار پر عائد ہوگا اور اس کی مقدار زیادہ ہوگی، جبکہ مؤجر پر عائد ہونے کی صورت میں صرف اجارے یا ٹھیکے کی رقم یا مال پر عائد ہوگا، جو ظاہر ہے کہ کل پیداوار سے ہر صورت میں کم ہوگا۔ پس عشر مُستاجر پر ہی واجب ہے اور متاخرین کا فتویٰ اسی پر ہے۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ جب انسان کوئی زمین اجارے پر لے اور کاشت کرے یا عاریۃً لے اور کاشت کرے یا باغبانی کے لئے استعمال کرے اور پھلوں کی پیداوار ہو، تو اس کا عشر مُستاجر (Lessee) اور مُستعیر پر ہوگا، زمین کے مالک پر نہیں۔ (Borrow to Make Use Gratuituos Loan) مالی امور میں استعارہ کے معنی ہیں: ''تملیکُ المنافعِ بغیرِ عوضٍ'' یعنی کسی معاوضے یا بدل کے بغیر کسی چیز کے منافع (Usufructs) کا مالک بنا دینا، اسے انگریزی میں Borrow to Make Use یا Gratuitous Loan کہتے ہیں۔ کیونکہ عشر پیداوار (Agricultural Product) مستاجر یا مُستعیر پر ہے، زمین کے مالک پر نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور فصل کی کٹائی کے وقت اُس کا حق ادا کرو، (الانعام: 141)''۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو زمین بارش سے سیراب ہو، اس پر عشر ہے''۔ اور عشر مالک پر عائد کرنا یہ ایک نقص فاحش ہے جو جذبۂ ہمدردی کے منافی ہے۔ اور عشر پیداوار پر لازم ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر زمین میں کاشت نہ کی جائے یا پیداوار نہ ہو تو عشر نہیں ہے۔ حالانکہ زمین موجود ہے، جبکہ اس کے برعکس خراج زمین پر لازم ہے، خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے ''فقہ الزکوٰۃ'' میں اس مسئلے پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کا موقف یہ ہے کہ عُشر زمین کا حق ہے، لہٰذا اجارے پر دی ہوئی زمین کا عشر زمین کے مالک پر نہیں ہے، مستاجر یا

مستغیر پر ہے۔ ابن رشد نے بحث کرتے ہوئے قرار دیا ہے کہ عشر زمین اور پیداوار دونوں کا مجموعی حق ہے۔ لہٰذا اجارے کی صورت میں دونوں (مالک ومزارع) پر اپنے اپنے حصے کے مطابق عشر عائد ہوگا۔ اور اجارے (Lease) یا ٹھیکے کی صورت میں مستاجر ٹھیکے کی رقم اور مصارف وضع کرنے کے بعد صافی آمدنی (Net Production) پر عُشر ادا کرے گا۔ انہوں نے حوالہ دیا ہے کہ شیخ ابوزہرہ کی کتاب ''تنظیم الاسلام للمجتمع'' کے صفحہ 159 پر لکھا ہے:

''عصر حاضر کے بعض علماء نے زکوٰۃ کو قانونی شکل دینے کے لئے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مالک اور مستأجر دونوں سے وصول کی جائے۔ مالک سے ٹیکس وصول کرنے کے بعد اور مستأجر کو کاشت کے جو اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں، اُن کو وضع کرنے کے بعد ہر ایک سے اس کے صافی مال میں سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے''۔

یہ ساری بحث میں نے اس لئے تفصیل کے ساتھ تحریر کی کہ آیا دورِ حاضر کے فقہاء اور اہلِ فتویٰ ان مسائل پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں اور ''مجتهد فيه'' مسائل پر دورِ حاضر کے حقائق کے پیش نظر، نظرِ ثانی ہو سکتی ہے؟ یا ہمیں متقدمین کی اجتہادی آراء پر ہی سختی سے کاربند رہنا چاہئے؟۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ تاجر اگر کرائے کی دوکان میں یا صنعتکار کرائے کے کارخانے میں بالترتیب تجارت یا صنعت میں مصروف ہیں، تو قمری سال کے آخر میں اُسے کرائے کے ادا کردہ یا واجب الاداء مصارف وضع کر کے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، جبکہ اجارے پر لی ہوئی زمین میں پیداوار ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زیادہ اسے اجارے کی رقم بہرحال دینی ہے اور جمہور فقہاءِ کرام کے قول کے مطابق پیداوار کی صورت میں مجموعی پیداوار پر اجارے کی رقم وضع کئے بغیر عُشر بھی دینا ہوگا۔

جمہور فقہاءِ کرام کے قول کے مطابق اجارے کی صورت میں مُوجر (Lessor) پر عشر تو بالکل نہیں ہے اور اجارے یا ٹھیکے کی رقم اُس کی مجموعی آمدنی یا مال تجارت میں شامل ہو جائے گی اور سال کے اختتام پر جو بچت ہوگی، اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ یا بالفرض مُوجر کی آمدنی کا یہی ایک ذریعہ ہے، تو قمری سال کے اختتام پر اگر اس کی بچت بالکل نہیں ہے یا زکوٰۃ کے نصاب سے کم ہے، تو اُس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

جن چیزوں میں عُشر واجب ہے؟:

ایسی چیزیں جن کی پیداوار سے زمین کا نفع حاصل کرنا مقصود ہو، خواہ وہ غلہ، اناج، ساگ، ترکاری، میوہ، پھل،

پھول وغیرہ جو کچھ پیدا ہو، سب کا یہی حکم ہے یعنی عُشر واجب ہے۔ علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود حنفی کاسانی لکھتے ہیں: أَنْ يَكُوْنَ الْخَارِجُ مِنَ الْاَرْضِ مِمَّا يُقْصَدُ بِزِرَاعَتِهٖ نَمَاءُ الْاَرْضِ وَتُسْتَغَلُّ الْأَرْضُ بِهٖ عَادَةً۔

ترجمہ: ''پیداوار ایسی ہو، جس کی کاشت سے زمین کی نمو مقصود ہو اور عادۃً اُس کا غلہ حاصل کیا جاتا ہو، (بدائع الصنائع، جلد 2، ص:88)''۔

عُشری زمین یا پہاڑ یا جنگل میں سے اگر شہد نکلا تو اس میں بھی عُشر واجب ہے۔ اناج اور غلّہ میں گندم، جَو، چنا، چاول، مکئی، جوار، باجرہ، کپاس، غرض ہر قسم کے دانے، مونگ پھلی، سورج مکھی، رائی، سرسوں (بنولا) اور لوبن وغیرہ۔

پھلوں میں آم، خربوزہ، تربوز، امرود، مالٹا، لوکاٹ، سیب، چیکو، انار، ناشپاتی، سنگترہ، کھجوریں، پپیتا، ناریل، فالسہ، جامن، لیچی، لیموں، خوبانی، آڑو، آلو بخارا، گرما، اناناس، انگور اور آلوچہ وغیرہ وغیرہ۔

سبزیوں میں ککڑی، ٹینڈا، بھنڈی، توری، آلو، لہسن، پیاز، دھنیا، کدو، کریلا، سبز مرچ، اروی، پھول گوبھی، بند گوبھی، شلغم، گاجر، چقندر، مٹر، پالک اور مختلف اقسام کے ساگ، میتھی وغیرہ، غرض جو چیزیں زمین سے پیدا ہوں، پھل سبزیاں، گنے، ککڑی، کھیرے، بینگن، سب پر عُشر واجب ہے، خواہ ان کے پھل باقی رہیں یا نہ رہیں۔

ایسی چیزیں جن کی پیداوار سے زمین کا نفع حاصل کرنا مقصود نہ ہو، اُن میں عُشر واجب نہیں۔ اِن سے غالباً وہ چیزیں مراد ہیں، جن کا حاصل کرنا مقصود بھی نہ ہو اور اُن سے منفعت بھی حاصل نہ ہو۔ لیکن گندم وجَو کا بھوسا وغیرہ قابلِ منفعت مال ہے، یہ جانوروں کی خوراک اور دیگر مقاصد میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ لہٰذا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عُشر واجب ہونا چاہئے جب کہ مقصود بالذات ہو۔

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین ابوبکر الفرغانی حنفی لکھتے ہیں: أَمَّا قَصَبُ السُّكَّرِ وَقَصَبُ الذَّرِيْرَةِ، فَفِيْهِمَا الْعُشْرُ، لِأَنَّهٗ يُقْصَدُ بِهِمَا اِسْتِغْلَالُ الْأَرْضِ، بِخِلَافِ السَّعَفِ وَالتِّبْنِ، لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ الْحَبُّ وَالثَّمَرُ دُوْنَهُمَا۔

ترجمہ: ''رہا گنا اور چرائتہ، تو ان دونوں میں عُشر واجب ہے کیونکہ ان دونوں سے زمین کی پیداوار مقصود ہوتی

ہے برخلاف کھجور کی شاخوں اور بھوسے کے۔کیونکہ مقصود تو دانہ اور چھوارہ ہے نہ کہ بھوسا اور شاخیں، (ہدایہ، جلد 2، ص:60)"۔ بھوسا اگر دانے سے اتارا جائے تو اُس میں عُشر نہیں کیونکہ مقصودی پیداوار دانہ ہے، بھوسا نہیں۔لہٰذا اس بھوسے پر عُشر واجب ہوگا جسے نفع اور تجارت کی غرض سے حاصل کیا گیا ہو۔

اگرچہ آج کل بڑے جاگیرداروں کے لئے بھوسا بھی منفعت بخش پیداوار ہے اور کثیر النفع مالِ تجارت ہے اور غالبًا بڑے زمین داروں اور جاگیرداروں کی بھوسے سے آمدنی لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے، کیونکہ آج کل مہنگائی انتہائی عروج پر ہے اور یہ مالِ تجارت بھی ہے۔لہٰذا شریعت کی رخصت کے مطابق نفسِ بھوسے پر جنس کی صورت میں عُشر نہیں ہوگا، لیکن اِس کی فروخت سے زمیندار کو جو نقد آمدن ہوگی وہ اُس کے دیگر مالِ نامی میں جمع جائے گی اور اختتامِ سال پر مجموعی مالیت پر زکوٰۃ ہوگی۔

جن صورتوں میں عُشر ساقط ہو جاتا ہے:

(۱) کھیت بویا مگر پیداوار ڈوب گئی، جل گئی یا ٹیری کھا گئی یا لُو وغیرہ سے جاتی رہی، اگر پوری فصل تباہ ہوگئی، تو عُشر و خراج دونوں ساقط ہوگئے اور اگر کچھ فصل باقی ہے، تو اُس باقی فصل کا عُشر ادا کرنا ہوگا

(۲) اگر کسی شخص نے زراعت پر قادر ہونے کے باوجود فصل کاشت نہیں کی، تو اُس پر عُشر کی ادائیگی واجب نہیں کیونکہ عُشر زمین پر نہیں، اُس کی پیداوار پر ہوتا ہے۔

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں: وَمِنْهَا: أَیْ مِنْ شَرَائِطِ الْمَحَلِّيَّةِ: وُجُوْدُ الْخَارِجِ حَتّٰی أَنَّ الْاَرْضَ لَوْلَمْ تُخْرِجْ شَيْئًا لَمْ يَجِبِ الْعُشْرُ لِأَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِّنَ الْخَارِجِ وَاِيْجَابُ جُزْءٍ مِّنَ الْخَارِجِ وَلَا خَارِجَ مُحَالٌ۔

ترجمہ: "کسی چیز پر عشر لاگو ہونے کی شرائط میں سے (ایک شرط): پیداوار کا موجود ہونا ہے، چنانچہ اگر کسی زمین میں کوئی پیداوار نہیں ہوئی، تو اُس میں عُشر واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ واجب پیداوار کا ایک جزو ہوتا ہے اور بغیر پیداوار کے اس کا ایک جزو واجب کرنا محال ہے، (بدائع الصنائع، جلد 2، ص:88)"۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَهُوَ فَرْضٌ وَسَبَبُهُ الْاَرْضُ النَّامِيَةُ بِالْخَارِجِ حَقِيْقَةً بِخِلَافِ الْخَرَاجِ فَاِنَّ سَبَبَهُ الْاَرْضُ النَّامِيَةُ حَقِيْقَةً أَوْتَقْدِيْرًا بِالتَّمَكُّنِ فَلَوْ تَمَكَّنَ وَلَمْ يَزْرَعْ وَجَبَ الْخَرَاجُ دُوْنَ الْعُشْرِ، وَلَوْأَصَابَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ لَمْ يَجِبْ۔

ترجمہ: ''عُشر فرض ہے اور اُس کا سبب پیداوار والی زمین سے حقیقتاً پیداوار ہونا ہے، جبکہ خراج کا سبب زمین کا پیداواری صلاحیت کا حامل ہونا (Potential Productivity) ہے، چاہے پیداوار حقیقتاً حاصل کی جائے یا نہ کی جائے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص زمین سے پیداوار لینے پر قادر ہو اور وہ زمین کاشت نہ کرے تو خراج کی ادائیگی لازم ہوگی، لیکن عُشر لازم نہ ہوگا اور اگر پیداوار کو کوئی ایسی آفت پہنچے (جو مکمل کاشت کو تباہ کردے) تو عُشر و خراج کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 185)''۔

(۳) احناف کے نزدیک اِرتداد (کسی شخص کا کافر ہوجانا) بھی عُشر ساقط ہونے کا سبب ہے۔ علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود حنفی کاسانی لکھتے ہیں: وَمِنْهَا: الرِّدَّةُ عِنْدَنَا، لِأَنَّ فِي الْعُشْرِ مَعْنَى الْعِبَادَةِ وَالْكَافِرُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَادَةِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَا يَسْقُطُ كَالزَّكَاةِ۔

ترجمہ: ''وجوبِ عُشر کے ساقط ہونے کا ایک سبب ہمارے (احناف) کے نزدیک ارتداد بھی ہے کیونکہ عُشر میں عبادت کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ارتداد سے عُشر ساقط نہیں ہوتا، جیسے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، (بدائع الصنائع، جلد 2، ص: 96)''۔

عُشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے:

علامہ علاء الدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں: اَلْعُشْرُ يَجِبُ فِي الْخَارِجِ لَا فِي الْأَرْضِ فَكَانَ مِلْكُ الْأَرْضِ وعدمهٗ بمنزلةٍ وّاحدةٍ،

ترجمہ: ''عُشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے، زمین میں نہیں، لہٰذا زمین کی ملکیت اور عدمِ ملکیت ایک ہی درجہ میں ہے، (بدائع الصنائع، جلد 2، ص 84)''۔

زمین ٹھیکے پر دی تو عُشر کس پر واجب ہے؟:

ٹھیکے پر دی جانے والی زمین کی پیداوار میں عُشر کی ادائیگی کاشتکار پر واجب ہے۔

علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود حنفی کاسانی لکھتے ہیں: ولو آجر أرضهُ العُشرية، فعُشرُ الخارج على المؤاجر عندهٗ وعندهما على المستأجر۔

ترجمہ: ''اگر (کسی شخص نے اپنی) عشری زمین کرائے پر دی، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیداوار کا عُشر مؤجر (کرائے پر دینے والے یعنی مالک) پر واجب ہے اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ

کے نزدیک مُستاجر (کرائے پر لینے والے) پر لازم ہے، (بدائع الصنائع، جلد 2، ص: 84)''۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا: ''اگر زمیندار زمین بٹائی پر جتوائے یا کاشتکار دیگر کاشتکار سے کاشت کرائے اور نصف پیداوار کے مستحق ہوں تو کیا دونوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟''۔آپ نے جواب میں لکھا: ''صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عُشر صرف کاشتکار پر ہے، اس پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ان ملکوں میں جہاں اُجرت میں نقدی ٹھہری ہوتی ہے، وہاں اسی پر فتویٰ ہونا چاہئے۔اور بٹائی میں امام اعظم کے قول کے مطابق فقط زمیندار پر ہے، (فتاویٰ رضویہ، جلد 10، ص: 203)''۔

زمین بٹائی پر دی تو عُشر کس پر واجب ہوگا؟:

اگر زمین کا مالک عُشری زمین کو بٹائی پر دے دیتا ہے تو عُشر دونوں (مالک و مزارع) پر واجب ہوگا۔علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود حنفی کاسانی لکھتے ہیں:

وَلَوْ دَفَعَهَا مُزَارَعَةً فَاَمَّا عَلٰى مَذْهَبِهِمَا، فَالْمُزَارَعَةُ جَائِزَةٌ، وَالْعُشْرُ يَجِبُ فِي الْخَارِجِ وَالْخَارِجُ بَيْنَهُمَا فَيَجِبُ الْعُشْرُ عَلَيْهِمَا۔

ترجمہ: ''اگر زمین مزارعت پر دی تو صاحبین کے نزدیک مزارعت جائز ہے اور عُشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے اور پیداوار میں دونوں شریک ہیں ،لہٰذا دونوں پر عُشر واجب ہوگا ،(بدائع الصنائع، جلد 2، ص: 84)''۔مزارعت کو ہمارے عرف میں بٹائی کہتے ہیں، یعنی یہ طے ہو کہ پیداوار میں سے مالک اور مزارع نصف نصف کے حق دار ہوں گے یا جو بھی تناسب دونوں کے درمیان طے ہو جائے۔

عشر فرض ہے اور اس (کے فرض ہونے) کا سبب یہ ہے کہ زمین سے حقیقت میں پیداوار حاصل ہو۔اس کے برعکس خراج کے واجب ہونے کے لئے فقط زمین کا پیداواری صلاحیت کا حامل ہونا (Potential Productivity) ہے، خواہ یہ پیداوار حقیقت میں عملی طور پر حاصل کی جائے یا کاشت کار اپنی مرضی سے یا کاہلی کے سبب عملی طور پر تو حاصل نہ کرے، مگر زمین میں یہ استعداد موجود ہو کہ اگر وہ چاہتا تو محنت کر کے پیداوار حاصل کر لیتا۔لیکن اگر قدرت کے باوجود زمین کو کاشت نہ کرے، تو خراج پھر بھی واجب ہوگا، جبکہ عشر صرف حقیقی پیداوار پر ہے۔اور اگر زمین پر کوئی آفت نازل ہوگئی تو پھر خراج بھی واجب نہیں ہوگا، آج کل خراج کی بحث محض نظریاتی ہے، اطلاقی (Applied) نہیں ہے۔اور عشر صرف مسلمان پر فرض ہے۔

☆☆☆☆☆

جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان

اس کائناتِ ارضی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کیساتھ دیگر مخلوقات کو بھی پیدا فرمایا اور اُن میں کچھ جاندار ایسے بھی پیدا فرمائے، جن سے انسان مستفید ہوتا ہے۔ان جانوروں میں مفید ترین جانور وہ ہیں، جنہیں عربی زبان میں ''اَنعام'' (مویشی) کہا جاتا ہے اور یہ اونٹ، گائے (بیل اور بھینس)، بکری، بھیڑ وغیرہ ہیں۔قرآن کریم میں بطورِ احسان بھی اِن کا ذکر فرمایا اور ان کے منافع بھی بیان فرمائے۔

اہلِ عرب کے لئے مویشی اور بالخصوص اونٹ بہت مفید اور کثیر المنافع جانور تھا، اس لئے احادیثِ مبارکہ میں تفصیل کے ساتھ اُن کا نصاب اور اس کی مقدار کو بیان فرمایا۔آج بھی دنیا کے بیشتر ممالک میں حیوانی ثروت (ANIMAL WEALTH) کو اہم مالی آمدنی کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں مویشی پالے اور پرورش کئے جاتے ہیں، اِسے (Live Stock) کہتے ہیں۔

سائمہ جانور کیا ہیں؟:

سائمہ وہ جانور جن میں تین باتیں پائی جائیں:

(۱) سال کا اکثر حصہ کسی سرکاری چراگاہ میں چرتے ہوں یا اُن کا چارہ قیمت دے کر حاصل نہ کیا جاتا ہو اور گھر میں بھی ان کو کچھ نہ دیا جاتا ہو۔اگر نصف سال خود کسی بھی مقام سے چر کر گزارہ کرتے ہوں اور نصف سال گھر میں کھلایا جاتا ہو تو وہ سائمہ نہیں، اسی طرح اگر ان کے لئے گھر میں گھاس منگائی جاتی ہو، خواہ قیمت سے خرید کر ہو یا بلا قیمت، تو وہ سائمہ نہیں ہیں۔

(۲) جو گھاس وہ چرتے ہوں، کسی کی طرف سے اُس کی ممانعت نہ ہو۔

(۳) دودھ حاصل کرنے یا افزائشِ نسل کے لئے جانور رکھے گئے ہوں، اگر اِن دونوں غرضوں سے نہ رکھے ہوں بلکہ گوشت کھانے یا سواری کے لئے ہوں، تو پھر وہ سائمہ نہیں کہلائیں گے۔

جو جانور سال کا بیشتر حصہ جنگل میں چر کر گزارتے ہوں اور چرانے کا مقصد محض دودھ اور بچے لینا یا فربہ کرنا ہے، تو یہ جانور ''سائمہ'' کہلاتے ہیں۔سائمہ جانور خواہ نر ہوں یا مادہ یا ملے جلے ہوں، ان سب پر زکوٰۃ

واجب ہوگی۔ ایسے جانور جو جنگل میں چرتے تو ہیں لیکن اس سے مقصود بوجھ لادنا یا ہل وغیرہ کے کاموں میں لانا یا سواری کے طور پر استعمال کرنا یا اُن کا گوشت کھانا مقصود ہو تو یہ جانور ''سائمہ'' نہیں کہلائیں گے اور نہ ہی اِن پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جن جانوروں کو گھر پر چارہ کھلاتے ہیں، اُن پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

جو جانور تجارت کی غرض سے خریدے گئے ہیں، وہ مالِ تجارت ہیں اور انُ کی زکوٰۃ ان کی قیمت کے حساب سے دی جائے گی، سائمہ کے لحاظ سے نہیں دی جائے گی۔ البتہ اگر کوئی شخص صرف اپنے ذاتی استعمال میں لانے اور خود گوشت کھانے کے لئے جنگل میں جانور چرنے کے لئے چھوڑتا ہے تو اُس پر کسی قسم کی زکوٰۃ نہیں ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: تمام جانوروں میں افزائشِ نسل کی صلاحیت اور مدتِ حمل یکساں نہیں ہوتی، اس لئے تمام جانوروں کی زکوٰۃ کا ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لہٰذا جانوروں کی مالیت اور قوت افزائش کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کی زکوٰۃ کی حسبِ ذیل شرح مقرر فرمائی:

خیال رہے کہ یہ زکوٰۃ ان جانوروں پر ہے جو قدرتی اور خودرَو گھاس چَرکر گزارہ کرتے ہیں، سال کے بعد ان کی یہ زکوٰۃ ہے:

نوٹ: جدول اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جانوروں کی زکوۃ کا جدول

نمبر شمار	جانور کا نام اور تعداد	شرحِ زکوۃ
1	۵ سے ۹ اونٹ	ایک بکری
2	۱۰ سے ۱۴ اونٹ	دو بکریاں
3	۱۵ سے ۱۹ اونٹ	تین بکریاں
4	۲۰ سے ۲۴ اونٹ	چار بکریاں
5	۲۵ سے ۳۵ اونٹ	ایک سالہ اونٹ کی بچی
6	۳۶ سے ۴۵ تک اونٹ	دو سالہ اونٹنی
7	۴۶ سے ۶۰ تک اونٹ	تین سالہ اونٹنی
8	۶۱ سے ۷۵ تک اونٹ	چار سالہ اونٹنی
9	۷۶ سے ۹۰ تک اونٹ	دو، دو سالہ اونٹنیاں
10	۹۱ سے ۱۲۰ تک اونٹ	دو، تین سالہ اونٹنیاں
11	۳۰ سے ۳۹ گائے	ایک سالہ بچھڑی یا بچھڑا
12	۴۰ سے ۵۹ گائے	دو سالہ بچھڑی یا بچھڑا
13	۶۰ سے ۶۹ تک گائے	دو، ایک سالہ بچھڑیاں یا بچھڑے
14	۷۰ سے ۷۹ تک گائے	ایک دو سالہ بچھڑی اور ایک، ایک سالہ بچھڑی
15	۸۰ سے ۸۹ تک گائے	دو، دو سالہ بچھڑیاں
16	۹۰ سے ۹۹ تک گائے	تین ایک سالہ بچھڑیاں
17	۱۰۰ سے 119 تک گائے	دو ایک سالہ اور ایک دو سالہ بچھڑیاں

نمبر شمار	جانور کا نام اور تعداد	شرح زکوٰۃ
18	۴۰ سے ۱۱۹ تک بکریاں	ایک بکری
19	۱۲۰ سے ۲۰۰ تک بکریاں	دو بکریاں
20	۲۰۱ سے ۳۹۹ تک بکریاں	تین بکریاں
21	۴۰۰ سے ۴۹۹ تک بکریاں	چار بکریاں
22	پھر ہر ۱۰۰ پر	ایک بکری کا اضافہ

(شرح صحیح مسلم، جلد 2، ص: 881-880)

جو جانور زکوٰۃ میں دیئے جائیں، اُن میں کوئی عیب نہ ہو یعنی نہ وہ بیمار ہوں، نہ اُن کے اعضاء کہیں سے ٹوٹے یا کٹے ہوئے ہوں، نہ ایسے بوڑھے ہوں کہ ان کے دانت گر گئے ہوں، غرض کوئی ایسا عیب ان میں نہ ہو، جس سے اُن کی منفعت اور قیمت میں کمی آجائے۔ ہاں! اگر سارے ہی جانور عیب دار، بوڑھے یا بیمار ہوں تو زکوٰۃ اُنہی میں سے دی جائے گی۔

کن جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے:

سواری کے گھوڑے اور زراعت کے بیلوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر گھوڑے تجارتی مقاصد کے لئے ہوں، تو اُن پر تجارتی نوعیت کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح گدھے، خچر، سدھائے ہوئے چیتے اور کتے پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی، جب وہ تجارت کے لئے ہوں۔

مصارفِ زکوٰۃ

مَصرف کے معنی ہیں خرچ کرنے کی جگہ، یعنی وہ اشخاص وافراد یا امور جن پر زکوٰۃ وصدقات کا مال خرچ کرنا جائز ہے۔ ایسے فرد کو مستحق (Deserving) کہتے ہیں۔ یہ زکوٰۃ کا ایک انتہائی اہم اور مستقل شعبہ ہے، بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ زکوٰۃ وعشر کی حکمت معاشرے کے نادار طبقات کی کفالت ہے تاکہ اسلامی معاشرے میں فقر وافلاس کا خاتمہ ہو، عدلِ اجتماعی اور معاشی انصاف (Social Justice) قائم ہو۔

صدقات واجبہ کا مصرف صرف مسلمان ہیں:

صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، فطرہ، فدیۂ صوم، فدیۂ صلوٰۃ، کفارات اور نذر کی رقوم) کا مصرف صرف مسلمان ہیں، غیر مسلموں کو دینے سے ادا نہیں ہوں گے۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنِ ابنِ عَبّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ: اِنَّکَ تَأْتِی قَوْمًا اَھْلَ کِتَابٍ فَادْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ، فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ، فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ، فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ، فَاِنْ اَطَاعُوْا لِذٰلِکَ، فَاِیَّاکَ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: تم اہل کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) کی قوم کے پاس (جب) پہنچو، تو انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے کی دعوت دو۔ اگر وہ اس (دعوتِ حق) کو تسلیم کرلیں، تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں، تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے، جو اُن کے مالداروں سے لی جائے اور اُن کے ناداروں کو (ان کے حق کے طور پر) لوٹائی جائے، اگر وہ اس (دعوتِ حق) کو قبول کرلیں تو (زکوٰۃ میں) ان کے عمدہ مال مت لو (بلکہ اوسط درجے کا مال لو) اور مظلوم کی پکار سے ڈرو کیونکہ اُس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے''۔

(صحیح مسلم، سنن ابی داوٗد، رقم الحدیث: 1579، سنن ترمذی رقم الحدیث: 625)

واضح رہے کہ نفلی صدقہ (Voluntary Charity) غیر مسلم نادار کو بھی دیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید میں مصارف زکوٰۃ کی تفصیل:

قرآن نے زکوٰۃ کے فرض ہونے کا بیان تو وضاحت کے ساتھ متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے، لیکن زکوٰۃ کا نصاب، زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط کی تفصیلات بیان نہیں فرمائیں۔ یہ تمام تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں۔ البتہ زکوٰۃ کے جس شعبے کو قرآن نے سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے وہ زکوٰۃ کے مصارف کا شعبہ ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ

ترجمہ: ''زکوٰۃ کے حق دار صرف فقراء اور مساکین ہیں، اور زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور لوگ اور جن کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو، اور (غلامی سے) گردنیں آزاد کرانے میں، اور مقروض لوگ اور اللہ کی راہ میں، اور مسافر لوگ، یہ اللہ کی جانب سے ایک فریضہ ہے اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے، (التوبۃ:60)''۔

اس آیت میں زکوٰۃ کے حق داروں کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملینِ زکوٰۃ (۴) مؤلفۃ القلوب (۵) جن کو طوقِ غلامی سے آزاد کرنا مقصود ہو (۶) جو بارِ قرض تلے دبے ہوئے ہوں یا ان پر کوئی تاوان آپڑا ہو (۷) جنہوں نے اپنے آپ کو کل وقتی (Full Time) دین کی نصرت وحفاظت یا علمِ دین کے حصول کے لئے وقف کر رکھا ہو (۸) ایسے مسافر جو نادار ہوں یا جن کا گھر سے رابطہ منقطع ہو چکا ہو۔

حدیثِ پاک میں اس امر کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ اجتہادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص (Stipulated, Laid Down) اور متعین (Specified) ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ (بِسَنَدِهٖ) اَنَّهٗ سَمِعَ زِيَادَبْنَ الْحَارِثِ الصُّدَائِيَّ قَالَ: اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَبَايَعْتُهٗ، فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: اَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ

يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَّلَاغَيْرِهِ حَتّٰى حَكَمَ فِيْهَا هُوَ،فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أُجْزَاءٍ، فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْاَجْزَاءِ، أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ۔

ترجمہ:''عبداللہ بن مسلمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ زیاد بن حارث صدائی کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعتِ اسلام کی، پھر انہوں نے ایک طویل حدیث بیان کی اور اس دوران انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ عنایت فرمائیے!، تو رسول اللہ ﷺ نے اُس سے، فرمایا: (مصارفِ زکوٰۃ کے معاملے کو) اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حکم پر نہیں چھوڑا (یعنی یہ صوابدیدی مسئلہ نہیں ہے) بلکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے (سورۂ توبہ:60 میں) خود ہی فیصلہ فرما دیا ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں، تو اگر تم ان میں سے کسی مصرف کے تحت حق دار بنتے ہو تو (مالِ زکوٰۃ میں سے) میں تمہارا حق تمہیں دے دوں گا (ورنہ تمہیں نہیں دوں گا)، (سنن ابی داوٗد، رقم الحدیث:1627)''۔

لہٰذا زکوٰۃ نکالنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل مستحقین تک پہنچانا اور جائز شرعی مصارف پر صَرف کرنا بھی لازم ہے، ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ہمارے معاشرے میں جمع وصرفِ زکوٰۃ کی بعض صورتیں رائج ہیں جو شرعاً درست نہیں ہیں۔

فقیر و مسکین کا مصداق:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فقیر وہ شخص ہے، جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن وہ زکوٰۃ کے نصاب سے کم ہو۔ اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ امام شافعی اور امام احمد کا قول اس کے برعکس ہے اور امام مالک کے نزدیک فقیر و مسکین ہم معنی ہیں۔

امام بخاری نے ایک طویل حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔

ترجمہ:''زکوٰۃ اُن (مسلمانوں) کے مالداروں سے لے کر اُن کے غریبوں کو لوٹا دی جائے۔'' (صحیح بخاری، رقم الحدیث:1395)

اس حدیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو خرچ کرنے میں افضل یہ ہے

کہ جس مقام پر زکوٰۃ وصول کی جائے، وہیں کے فقراء اور ناداروں پر صَرف کی جائے، البتہ مندرجہ ذیل صورتیں اس سے مستثنٰی ہیں: (۱) یہ کہ اس مقام پر کوئی مستحق نہ ہو جیسے امریکا، یورپ یا بعض مال دار مسلم ممالک میں ایسا ممکن ہے۔
(۲) یا زکوٰۃ ادا کرنے والے کے مستحق قریبی رشتہ دار کسی دوسرے مقام پر رہتے ہوں۔ (۳) یا کسی جگہ کے مسلمان بہت زیادہ نادار اور ضرورت مند ہوں تو ان صورتوں میں دوسرے مقامات پر بھی زکوٰۃ کی رقوم بھیجی جاسکتی ہیں، لیکن مقامی مستحقین کو بالکل نظرانداز کرکے دوسرے مقامات پر زکوٰۃ کی رقوم بھیجنا شرعاً قابلِ ترجیح اور پسندیدہ امر نہیں ہے، اگرچہ ایسا کرنے سے اصولی طور پر زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

عاملینِ زکوٰۃ کا مصداق:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حاکمِ وقت کی طرف سے زکوٰۃ وعشر کی وصولیابی پر مامور ہوں۔ ان لوگوں کو زکوٰۃ کے مال میں سے اجرت یا معاوضہ دیا جاسکتا ہے اور اس کے لئے ان کا فقیر ومسکین ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان کی اجرت زکوٰۃ وعشر کی وصول کردہ رقم کے نصف سے کم ہو۔ اگر کسی عامل کو زکوٰۃ وعشر کی وصولیابی کے موقع پر کوئی ہدیہ اور تحفہ دے تو اس کے لئے لینا جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

(۱) عَنْ اَبِی حُمَیْدِنِ السَّاعِدِیِّ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِسْتَعْمَلَ ابْنَ الْاُتْبِیَّۃِ (وفِی رِوَایَۃٍ اُخْرٰی اِبْنَ اللُّتْبِیَّۃِ) عَلٰی صَدَقَاتِ بَنِی سُلَیْمٍ، فَلَمَّا جَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَحَاسَبَہٗ قَالَ: ھٰذَا الَّذِیْ لَکُمْ، وَھٰذِہٖ ھَدِیَّۃٌ اُھْدِیَتْ لِیْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: "فَھَلَّا جَلَسْتَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْکَ وَبَیْتِ اُمِّکَ حَتّٰی تَاْتِیَکَ ھَدِیَّتُکَ اِنْ کُنْتَ صَادِقًا، ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَخَطَبَ النَّاسَ، وَحَمِدَاللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ، ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اُسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْکُمْ عَلٰی اُمُوْرٍ مِمَّا وَلَّانِیَ اللّٰہُ، فَیَاْتِیْ اَحَدُکُمْ فَیَقُوْلُ: ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذِہٖ ھَدِیَّۃٌ اُھْدِیَتْ لِیْ، فَھَلَّا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْہِ وَبَیْتِ اُمِّہٖ حَتّٰی تَاْتِیَہٗ ھَدِیَّتُہٗ اِنْ کَانَ صَادِقًا، فَوَاللّٰہِ لَا یَاْخُذُ اَحَدُکُمْ مِنْھَا شَیْئًا، قَالَ ھِشَامٌ، بِغَیْرِ حَقِّہٖ، اِلَّا جَاءَ اللّٰہَ یَحْمِلُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، اَلَا فَلَاَعْرِفَنَّ مَا جَاءَ اللّٰہَ رَجُلٌ بِبَعِیْرٍ لَہٗ رُغَاءٌ اَوْ بِبَقَرَۃٍ لَھَا خُوَارٌ، اَوْ شَاۃٍ تَیْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی رَأَیْتُ بَیَاضَ اِبْطَیْہِ: اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ"۔

ترجمہ: "حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ابن الاتبیۃ (اور ایک روایت

میں ہے اِبنَ اللُتبِيَّة ہے) کو بَنِیُ سُلَیم کے صدقات وصول کرنے کا عامل مقرر کیا، جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ نے اس سے حساب لیا، تو اس نے کہا: ''یہ آپ کے لئے (صدقات کا) مال ہے اور یہ مال مجھے ہدیے کے طور پر دیا گیا ہے''۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو (کہ یہ مال تمہیں ہدیہ دیا گیا ہے)، تو اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے کہ تمہارے پاس یہ ہدیے کا مال آتا''۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: ''میں تم سے کسی شخص کو کسی ایسے کام پر عامل بناتا ہوں جس کام کا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے، پھر تم میں سے کوئی شخص میرے پاس آ کر کہتا ہے: مال کا یہ حصہ آپ کے لئے ہے اور یہ حصہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو کیوں نہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا رہا کہ اس کے پاس یہ ہدیے آتے۔ اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی اس مال میں سے کچھ بھی نہیں لے گا، ہشام نے کہا یعنی ناحق نہیں لے گا، (اور اگر اس نے ناحق کچھ لیا) تو وہ قیامت کے دن اِس (ناحق) مال کو اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا۔ سنو! میں اس شخص کو قیامت کے دن ضرور پہچان لوں گا جو بلبلاتے اونٹ کو یا ڈکراتی ہوئے گائے کو یا ممیاتی ہوئی بکری کو لادے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا۔ پھر آپ نے (جلالی کیفیت میں) اپنے دونوں ہاتھ اتنے بلند کئے کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی مجھے نظر آئی (اور آپ ﷺ نے فرمایا): سنو! تحقیق میں نے (اللہ تعالیٰ کا) پیغامِ (حق تم تک) پہنچا دیا ہے، (صحیح بخاری: 7197)''۔

اس حدیث میں اونٹ، گائے اور بکری کا ذکر اس لئے ہے کہ نبی ﷺ نے اُس شخص کو مویشیوں کی زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے مقرر کیا تھا۔

(۲) عن عدیَ بن عمیرۃ الکِندِیِّ، قَالَ: سَمِعتُ رَسُولَ اللہ ﷺ یَقُولُ: '' مَنِ استَعمَلنَاہُ مِنکُم علٰی عملٍ، فکتمنا مخیطًا فما فوقہٗ، کان غُلُولًا یاتی بہ یَومَ القیامۃِ''، قال: فقام الیہ رجلٌ اسودُ من الانصار، کأنّی انظرُ الیہ فقال: یا رسولَ اللّٰہ! اِقبَل عنّی عملَکَ، قال: ومالکَ؟، قال: سمعتُکَ تقولُ کذا و کذا، قال: وانا اقولُہُ الآن، مَنِ استعملناہُ منکُم علٰی عملٍ فلیجیٔ بقلیلہٖ وکثیرہٖ، فما اُوتی منہُ اخذ، وما نُہی عنہُ، انتہٰی،

ترجمہ: ''حضرت عدی بن عمیرۃ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے

جس کسی کو ہم نے کسی کام پر مامور کیا اور اس نے ایک سوئی کی مقدار یا اس سے بھی کم تر کوئی چیز (صدقات کے مال میں سے) چھپائی، تو وہ خائن ہے اور قیامت کے دن اس مال کے ساتھ (اللہ کی عدالت میں) حاضر ہوگا، تب ایک سیاہ فام انصاری اٹھا، گویا کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں، اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے جو کام سپرد کیا ہے، اسے واپس لے لیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں؟، اس نے کہا: میں نے آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! میں اب پھر کہتا ہوں: تم میں سے میں جس کو کسی کام پر مامور کروں تو وہ (صدقات کا سارا مال) لے کر آئے، خواہ کم ہو زیادہ، اس کے بعد اُسے (اس کی محنت کی) جو اجرت دی جائے وہ لے لے اور جس چیز سے روکا جائے اس سے رک جائے، (صحیح مسلم: 4636)"۔

اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وعشر کی وصولی شرعی اعتبار سے بہت حساس ذمے داری ہے، یہ نہایت دیانت وامانت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور خدانخواستہ معمولی سی خیانت بھی قیامت کے دن وبال بن جائے گی۔ ان احادیثِ مبارکہ میں بڑی وعید ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔

وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا: يَعْنِي السُّعَاةَ وَالْجُبَاةَ الَّذِيْنَ يَبْعَثُهُمُ الْإِمَامُ لِتَحْصِيْلِ الزَّكٰوةِ بِالتَّوْكِيْلِ عَلٰى ذَالِكَ۔ وَاخْتَلَفُوْا فِي الْعَامِلِ إِذَا كَانَ هَاشِمِيًّا فَمَنَعَهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ" وَهٰذِهِ صَدَقَةٌ مِنْ وَّجْهٍ، لِأَنَّهَا جُزْءٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ فَتُلْحَقُ بِالصَّدَقَةِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ كَرَامَةً وَتَنْزِيْهًا لِقَرَابَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ غُسَالَةِ النَّاسِ۔ وَأَجَازَ عَمَلَهُ مَالِكٌ وَّالشَّافِعِيُّ، وَيُعْطٰى أَجْرُ عُمَالَتِهِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ مُصَدِّقًا، وَبَعَثَهُ عَامِلًا إِلَى الْيَمَنِ عَلَى الزَّكَاةِ، وَوَلّٰى جَمَاعَةً مِّنْ بَنِيْ هَاشِمٍ وَّوَلَّى الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ كَذٰلِكَ وَلِأَنَّهُ أَجِيْرٌ عَلٰى عَمَلٍ مُبَاحٍ فَوَجَبَ أَنْ يَّسْتَوِيَ فِيْهِ الْهَاشِمِيُّ وَغَيْرُهُ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الصِّنَاعَاتِ۔ قَالَتِ الْحَنَفِيَّةُ: حَدِيْثُ عَلِيٍّ لَيْسَ فِيْهِ أَنَّهُ فَرَضَ لَهُ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَإِنْ فَرَضَ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا جَازَ۔

ترجمہ: "وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا: یعنی وہ لوگ جنہیں امام (حاکمِ وقت) وکیل بنا کر زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے مقرر کرے اور (امراء کے پاس جا کر) زکوٰۃ جمع کریں۔

اِس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر "عاملِ زکوٰۃ" ہاشمی ہے، تو امام ابوحنیفہ نے انہیں زکوٰۃ میں سے اجرت دینے سے منع کیا ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: "صدقات لوگوں کے مال کا میل ہے اور محمد اور آلِ محمد سے

لئے جائز نہیں ہے''۔ یہ اجرت ایک طرح سے صدقہ ہی ہے، کیوں کہ یہ صدقہ ہی کا جزء ہے، تو بحیثیتِ مجموعی یہ صدقے ہی کے ساتھ ملحق ہوگا (یعنی اس پر صدقہ ہی کے حکم کا اطلاق ہوگا)۔ تو بنی ہاشم کی کرامت اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت کی بنا پر انہیں لوگوں کے (مال کے) دھوون سے پاک رکھا جائے گا۔ امام مالک اور امام شافعی نے بنی ہاشم عاملینِ صدقات کے لئے اسی مال سے اجرت کو جائز قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ اور اُس کے بعد خلفاء نے بنی ہاشم کو عامل زکوٰۃ بنایا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بھی کہ یہ ایک مباح کام پر اَجیر (مامور) ہے، تو اور تمام کاموں کی طرح اس میں ہاشمی اور غیر ہاشمی کا حکم ایک ہونا چاہئے۔

حنفیہ نے کہا: حدیث علی میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرتِ علی کو صدقے کے مال میں سے کچھ دیا تھا اور اگر صدقے کے مال کے علاوہ کچھ دیا ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے، (الجامع لاحکام القرآن، جلد:08،ص:178-177)''۔

مُؤَلَّفَۃُ القلوب کا مصداق:

ڈاکٹر وھبہ زوحیلی نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے، یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

ترجمہ: ''اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کو اسلام قبول کرنے کے لئے مائل کرنا مقصود ہو اور اُن سے خیر کی امید ہو یا ان کی اذیت اور شر سے بچنا مقصود ہو یا ایسے ضعیف الاعتقاد مسلمان جن کے ایمان کو تقویت دینا مقصود ہو تا کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں یا اُن کے دیگر لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا مقصود ہو۔ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ و صدقات یا خُمس سے مال عطا کیا۔ غزوۂ حُنین کے موقع پر آپ ﷺ نے ابوسفیان بن حرب، صَفوان بن اُمیہ، عُیینہ بن حصن، اَقرع بن حابس، عباس بن مرداس، مالک بن عوف، حکیم بن حُزام وغیرہ پندرہ افراد میں سے اکثر کو سو سو اونٹ اور بعض کو پچاس اور ستر اونٹ عطا کئے۔ فقہاءِ احناف کے نزدیک اب یہ مصرف باقی نہیں رہا یا منسوخ ہو چکا ہے، کیونکہ اس کی ضرورت اس وقت تک تھی جب تک اسلام غالب نہیں ہوا تھا، جب اسلام اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرما دیا تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے نسخ کو ظاہر کیا اور چونکہ صحابۂ کرام میں سے کسی کا اس سے اختلاف ثابت نہیں، لہٰذا اس کے نسخ پر اجماعِ صحابہ ہو گیا۔ یا رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ کو قاضی مقرر کر کے یمن بھیجا، تو اُن کو جو ہدایات دیں، ان میں زکوٰۃ کی بابت فرمایا:

خُذْهَا مِنْ اَغْنِيَآءِ هِمْ وَرُدَّ اِلٰی فُقَرَائِهِمْ، زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لو اور ان کے ناداروں کو لوٹاؤ، تو گویا مؤلفۃ القلوب کا شعبہ منسوخ ہو گیا۔

بعض مالکیہ کے نزدیک یہ شعبہ غیر مسلموں کے حق میں تو منسوخ ہے لیکن نومسلموں کے لئے باقی ہے۔ شافعیہ کے نزدیک بھی کافروں کو زکوٰۃ کے مال سے نہیں دیا جائے گا، لیکن ضعیف الاعتقاد نومسلموں کی ثابت قدمی اور ان کے ایمان کو تقویت کے لئے دیا جائے گا۔ اس سے اُن کے سابق مذہب کے دیگر لوگوں کو بھی ترغیب ملے گی۔ حنابلہ کے نزدیک زکوٰۃ کا یہ مصرف باقی ہے۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے اس مصرف کو اور بھی وسعت دی ہے، لیکن ہم اسے اسی حد تک محدود رکھتے ہیں''۔

(تلخیص بحث، فقہ الاسلام واَدِلَتُہٗ، جلد: 3، ص: 2003-1998)

اگر ہم مصارف زکوٰۃ سے ''مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوب'' کو منسوخ کرنے کی بات کرتے ہیں، تو اس سے منکرین حدیث (پرویزی) یہ اصول وضع کرتے ہیں کہ حاکم وقت یا حکومت وقت کو معاذ اللہ! قرآن مجید کے کسی صریح حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اسی طرح یہ اصول بھی ماننا پڑے گا کہ ''اجماع'' سے قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تو ہوسکتا ہے کہ ''اجماعِ اُمت'' سے قرآن مجید کے ایک سے زائد معانی کے حامل کسی کلمے کے ایک معنی کو قطعیت کے ساتھ متعین کر دیا جائے، جیسے پوری امت کا اجماع ہے کہ ''خاتَمُ النَّبِیّین'' کے معنی ہیں: ''آخِرُ النَّبِیّین''۔

جو بات ہمارے لئے قرین عقل ہے، وہ یہ کہ ''مؤلفۃ القلوب'' کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دینے کی علت بھی ضعیف الاعتقاد نومسلموں کی ثابت قدمی اور ان کے ایمان کو تقویت دینے کے لئے انہیں زکوٰۃ کا مال دینا ہے۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں مسلمان غلبے کی حالت میں نہیں تھے بلکہ کمزور پوزیشن میں تھے۔ مگر خلافت راشدہ کے عہد مبارک میں یقیناً اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اُس خطے میں حقیقی اور کامل غلبہ عطا فرمادیا تھا، تو اُس وقت یہ علت موجود نہیں تھی۔ لہٰذا اس مصرف پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کا سلسلہ منقطع یا موقوف یا مُعطّل ہو گیا۔ مگر آج عالمی سطح پر اسلام اور مسلمان غالب پوزیشن میں نہیں ہیں، بلکہ پاکستان میں صوبہ سندھ کے ضلع سانگھڑ و تھرپارکر میں ہندوؤں کی کافی آبادی ہے۔ اگر کوئی فرد، خاندان یا چند خاندان اسلام قبول کرتے ہیں تو انہیں ہندوؤں کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر خاندان طاقت ور ہے تو اسے وسائل سے محروم کر دیتے ہیں، ایسی

صورت میں اول تو اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے کہ انہیں مکمل تحفظ دے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرے اور ضرورت کے موقع پر ان کی کفالت کرے۔لیکن ہماری حکومتیں آئینی طور پر تو اسلامی ہیں لیکن عملی طور پر سیکولر ہیں۔تو اس پس منظر میں ''مؤلفۃ القلوب'' کا مصرف زکوٰۃ اب بھی مؤثر ہونا چاہئے اور ہمارے اہل فتویٰ کو اس پر غور کرنا چاہئے۔عرب علماء میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی کا بھی یہی موقف ہے۔

اس اصول کے پیش نظر کہ صدقاتِ واجبہ صرف مسلمان مستحقین ہی کو دیئے جاسکتے ہیں، مفسرینِ کرام نے کہا ہے کہ جن غیر مسلموں کے قلوب کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود تھا یا دفعِ شر کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو عطا کیا تھا، وہ زکوٰۃ کا مال نہیں تھا بلکہ خُمس کا مال تھا، جس کا آپ ﷺ کو اختیار تھا۔مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں سورۂ توبہ کی آیت:60 کے تحت مؤلفۃ القلوب کے مصرف کے جاری رہنے کو ترجیح دی ہے۔لیکن انہوں نے اس مقام پر لکھا کہ صرف ایک ہی مصرف عاملین زکوٰۃ کا ہے، جن کے لئے فقیر اور مسکین ہونے کی شرط نہیں ہے، مگر مؤلفۃ القلوب (یعنی ضعیف الاعتقاد مسلمانوں) کو صرف فقیر و مسکین ہونے کی صورت میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

مجھے اس مسئلے کی ضرورت کا احساس اس وقت ہوا جب ایک ٹیلیویژن مباحثے میں اینکر پرسن نے پوچھا: ''کیا آج کے دور میں قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کیا جاسکتا ہے؟''۔میرے ساتھ بحث میں شریک شیعہ عالم نے کہا: ''کیوں نہیں؟ حضرت عمر نے مصارف زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب کو منسوخ کر دیا تھا''۔دراصل وہ طنز کر رہے تھے، میں نے اُس وقت یہی جواب دیا کہ قرآن کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا، حضرت عمر نے غلبۂ اسلام کے سبب اسے معطّل کر دیا تھا، کیونکہ اس دور میں اس کی ضرورت باقی نہیں تھی، لیکن جب بھی ایسے حالات پائیں جائیں تو یہ شعبۂ زکوٰۃ مؤثر رہے گا۔پس اس پر معاصر علماء کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

فِی الرقاب کا مِصداق:

رقاب، رقبۃ کی جمع ہے، رقبہ کے معنی ''گردن'' کے ہیں۔اس سے انسان کے پورے وجود کو بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور عہدِ غلامی میں جو شخص مکمل طور پر کسی کا زر خرید ہوتا یا اسے وراثت، ہبہ، تاوان، مالِ غنیمت یا کسی اور صورت میں ملتا، تو اس کامل غلامی کو فقہی یا قانونی زبان میں ''مِلکِ رقبہ'' سے تعبیر کیا جاتا تھا۔یعنی اس کی گردن پھنسی ہوئی ہے اور وہ اپنے مالک کا پابند ہے، اپنی مرضی سے آزادانہ تصرف نہیں کرسکتا۔غلاموں کی ایک قسم ''مُکاتَب'' تھی،

یعنی ایسا غلام جسے مالک یہ کہے کہ اتنی رقم (جو اس نے مقرر کی ہے) دے دو تو تم آزاد ہو۔ جب تک غلامی کا رواج تھا، اسلام نے غلام آزاد کرنے کو بڑی نیکی سے تعبیر کیا، یہ اسلام میں غلامی کا نظام ختم کرنے کی جانب ایک تدریجی عمل تھا۔ بعض کفارات میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا اور خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غلام آزاد کرنے کو سعادت اور اجر کا ذریعہ بتایا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ○

(۱) ترجمہ: ''وہ دشوار گزار گھاٹی میں کیوں نہ داخل ہوا اور تو کیا جانے دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟، (یہ) گردن چھڑانا (یعنی غلام کو آزاد کرنا) ہے، (البلد: 11 تا 13)''۔ اور فرمایا: وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَاٰتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىٓ اٰتَاكُمْ ط

(۲) ترجمہ: اور تمہارے غلاموں میں سے جو مال کے عوض آزاد ہونا چاہیں، انہیں مُکاتَب بنالو، اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو، اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے، (النور: 33)''۔ حدیث پاک میں ہے:

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی شخص کسی مسلمان شخص کو آزاد کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے اجر اور انعام کے طور پر اُس آزاد کردہ غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اسے نارِ جہنم سے نجات عطا فرمائے گا''۔

(صحیح بخاری: 2517)

اسی مفہوم کی احادیث صحیح مسلم: 509، سنن ترمذی: 1541، السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد: 10 ص: 271 اور المعجم الکبیر للطبرانی، جلد: 01 ص: 95 میں مروی ہیں۔ پس غیر ہاشمی مُکاتَب کی آزادی کے لئے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے۔ ہمارے فقہاء نے ''رِقِ کامل'' کی آزادی کو زکوٰۃ کا مصرف قرار نہیں دیا جبکہ بعض ائمہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''مصارفِ زکوٰۃ میں ''فی الرقاب'' سے مراد صدقات کو غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے خرچ کرنا اور یہ کنایہ ہے غلاموں اور باندیوں کو غلامی اور بندگی کی عبرت ناک اذیت سے آزاد کرنا اور اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) یہ کہ مکاتَب غلام کی مدد کی جائے ، مکاتَب اس غلام کو کہتے ہیں جسے اُس کے مالک نے باہمی رضامندی سے یہ کہا ہو کہ اتنا (جو بھی مقدار طے پائی ہو) مال کما کر لے آؤ، پس جب وہ یہ مال کما کر مالک کو دے دے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔۔۔۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اوران دونوں کے اصحاب اور امام لیس بن سعد نے عبداللہ بن عباس کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے''فی الرقاب'' سے عبدِ مکاتَب مراد لیا ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے غلام یا باندی کو خریدے اور پھر اُسے آزاد کردے اور اس میں ایک سے زائد افراد بھی شریک ہو سکتے ہیں یا حاکم جو مالِ زکوٰۃ جمع کرتا ہے، اس سے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کرے، یہ امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق کا مشہور قول ہے۔ اور ابن عربی نے کہا کہ یہی صحیح ہے اور ظاہرِ قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جہاں ''رقبہ'' کا ذکر کیا، اُس سے آزاد کرنا ہی مراد ہے اور اگر اس سے مکاتبین مراد ہوتے، تو اُن کا نام لے کر ذکر کیا جاتا۔ لیکن کلامِ الٰہی نے ''رقبہ'' کی طرف عدول فرمایا، تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اِس سے ''عبدِ کامل'' کو آزاد کرنا مراد ہے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ مکاتَب تو ''غارمین'' کے عنوان کے تحت شامل ہے، کیونکہ اس پر دَینِ کتابت ہے، تو یہ ''رقاب'' میں داخل نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات عموم میں مکاتَب شامل ہوتا ہے۔۔۔۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: حق یہ ہے کہ آیت قرآن کی عبارت دونوں کو شامل ہے، یعنی ''مکاتَب'' کو آزاد کرنے میں مدد دینا اور ''عبدِ کامل'' کو خرید کر آزاد کرنا۔ آگے انہوں نے اس پر مزید بحث کی ہے، (فقہ الزکوٰۃ، جلد:2، ص:88-87)''۔

اب غلامی اس دنیا میں رائج نہیں ہے اور اسلام کے نزدیک انسانوں کی حریت ایک اعلیٰ قدر ہے، لہٰذا عالمی سطح پر حقوقِ انسانی کے منشور میں غلامی (Slavery) کے خاتمے کا جو قانون طے ہوا ہے، ہم اس کی تائید کرتے ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور میں کسی بھی قسم کی غلامی چونکہ موجود نہیں ہے، اس لئے مصرفِ زکوٰۃ کے حوالے سے یہ موضوع عملاً غیر متعلق ہے۔

غارمین کا مصداق:

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: الغریمُ یُقالُ لمن لَهُ الدَّینُ ولمن علیه الدَّینُ
ترجمہ: ''قرض خواہ اور مقروض دونوں کو ''غریم'' کہا جاتا ہے''۔

(معجم مفردات الفاظ القرآن، ص:372)

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''غارمین سے مراد وہ لوگ ہیں، جن پر قرض ہے اور جیسا کہ ''ظہیریہ'' میں ہے، ان کو زکوٰۃ دینا فقیر کو دینے سے بہتر ہے، بشرطیکہ یہ قرض اسرافِ بے جا اور معصیت کے لئے (جیسے شراب نوشی وغیرہ) نہ لیا گیا ہو۔ لیکن علامہ نووی نے ''منہاج'' میں کہا ہے کہ میرے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ معصیت کے لئے قرض لینے والا اگر توبہ کرلے تو اسے دیا جاسکتا ہے اور ''روضہ'' میں اس قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے، لیکن محرمات کے لئے، لئے گئے قرضوں کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینے کی ممانعت مطلق ہے، وہ کہتے ہیں کہ کبھی محض زکوٰۃ دینے کے لئے توبہ کی جاتی ہے۔ غارمین کو دینے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان کے اور ان کے زیرِ کفالت افراد کی حاجاتِ ضروریہ سے اتنی فاضل رقم ان کے پاس نہ ہو کہ وہ قرض ادا کرسکیں، ورنہ محض قرض کا ادا کرنا استحقاقِ زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے اور یہ امام شافعی کا ایک قول ہے اور یہی ظاہر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت میں عموم ہے اور اس طرح کی کوئی شرط نہیں لگائی جاسکتی اور صاحبِ قدوری (امام احمد بن محمد البغدادی القدوری) نے اسے مُطلق رکھا ہے اور ہمارے اصحاب میں سے صاحبِ کنز الدقائق (علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی) نے مصارفِ زکوٰۃ میں مقروض کو شمار کیا ہے اور ''الکافی'' نے یہ شرط لگائی ہے کہ اُس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد کم از کم نصاب کے برابر بچ جائے۔ اور ''البحر الرائق'' نے ذکر کیا ہے کہ اِس آیت کے تحت مصارفِ زکوٰۃ میں غارم سے یہی مراد ہے، کیونکہ لغت میں ''غارم'' اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس پر قرض ہو اور اس کے لئے ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو جیسا کہ ''العتبی'' نے ذکر کیا۔ اور انہوں نے آیت میں مقروض کو مطلق چھوڑنے کی وجہ یہ بیان کی کہ ''عامل'' اور ''ابن السبیل'' (جب کہ اس کے پاس وطن میں مال ہو، مگر اس کی دسترس میں نہ ہو تو وہ فقیر ہی کے درجے میں ہے) کے علاوہ تمام مصارفِ زکوٰۃ کے لئے فقیر ہونا شرط ہے، (روح المعانی، جلد:6، ص:122)''۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''آیت میں ''غارمین'' سے مراد یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ (مستحق) کی اعانت پر صرف کیا اور معصیت پر اعانت جائز نہیں ہے (یعنی اگر اس نے قرض لے کر معصیت کے کاموں میں خرچ کیا ہے تو اس کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے)۔ اور اگر قرض کسی معصیت کیلئے نہیں لیا، تو اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ قرض جو ضروری

اخراجات کے لئے لیا ہو یا اس میں کوئی دینی مصلحت ہو، (۲) وہ قرض جو مسلمانوں کے درمیان اصلاح کے لئے کسی مالی ذمے داری کو قبول کرنے کی وجہ سے لیا ہو اور یہ سب آیت میں داخل ہیں۔ اصم نے اپنی تفسیر میں روایت کیا کہ جب کسی کی تعدّی (زیادتی) کے سبب جنین (ماں کے پیٹ میں بچہ Embryo) کی موت واقع ہوئی، تو نبی ﷺ نے دیت کے طور پر ایک غلام دینے کا حکم دیا، تو عاقلہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس غلام نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے حمد بن مالک بن نابغہ سے فرمایا: ''صدقات کے مال میں سے غلام دے کر ان کی مدد کرو''، حمدان دنوں صدقات کے نگران تھے، (التفسیر الکبیر، جلد: 15، ص: 113)''۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

مقروض سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات میں مقروض ہوں نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لئے قرض لیا ہو، مثلاً کسی نے سینما ہاؤس، وڈیو شاپ یا شراب کی دکان کھولنے کے لئے قرض لیا ہو یا کسی نے بے جا خرچ اور اسراف کے لئے قرض لیا ہو یا کسی نے اپنے بچوں کی شادی کے سلسلے میں مروجہ رسومات بڑے پیمانے پر منعقد کی ہوں اور مقروض ہو گیا ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے لئے اس کے پاس رقم نہ ہو، تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہئے، البتہ علامہ نووی شافعی نے ''الروضہ'' میں یہ لکھا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لے تو پھر اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ مقروض خواہ غنی ہو، لیکن اگر اس کے پاس قرض اتارنے کے لئے رقم نہیں تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، اِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، اَوْ لِغَارِمٍ، اَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، اَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَأَهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ۔

ترجمہ: ''عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی غنی کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، مگر پانچ قسم کے اشخاص کے لئے (جائز ہے): جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو یا وہ صدقہ وصول کرنے والا عامل ہو یا مقروض ہو یا جس شخص نے صدقے کا مال اپنے مال سے خرید لیا یا جس شخص کا کوئی مسکین پڑوسی ہو اور اس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی ہو اور وہ مسکین غنی کو وہ چیز ہدیہ کر دے، (یہ روایت مرسل ہے)''۔

(سنن ابوداؤد: 1632، سنن ابن ماجہ: 1841)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ اِلَّا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِ ابْنِ السَّبِیْلِ، أَوْ جَارٍ فَقِیْرٍ یُتَصَدَّقُ عَلَیْہِ فَیُھْدِیْ لَکَ اَوْ یَدْعُوْکَ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی غنی کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے، مگر اس غنی کے لئے جو اللہ کی راہ میں ہو، یا وہ کسی فقیر کا پڑوسی ہو، اس فقیر پر صدقہ کیا جائے اور وہ غنی تجھے ہدیہ دے یا تیری (یعنی غنی کی) دعوت کرے، (سنن ابوداؤد 1634)"۔

(تبیان القرآن، جلد:05، ص:179)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: أَھْدَتْ بَرِیْرَۃُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ لَحْمًا تُصُدِّقَ بِہٖ عَلَیْھَا، فَقَالَ: "ھُوَ لَھَا صَدَقَۃٌ وَلَنَا ھَدِیَّۃٌ"

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت بَریرہ نے نبی ﷺ کو وہ گوشت ہدیہ کیا جو ان پر صدقہ کیا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اُس (بریرہ) کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے، (صحیح مسلم:2374)"۔

اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ملکیت بدلنے سے چیز کا حکم بدل جاتا ہے، یعنی بریرہ چونکہ نادار تھیں اور زکوٰۃ وصدقات کا مصرف تھیں، اس لئے انہیں صدقے کا مال دیا گیا، مگر جب مال ان کی ملک میں آ گیا تو اب وہ اسے کسی غنی کو بھی کھلا سکتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ اور حضرت عطا بن یسار کی حدیث میں بتایا کہ کوئی غنی شخص کسی فقیر سے صدقے کا مال خرید کر بھی استعمال کر سکتا ہے، یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ صدقہ ہونا مال کی دائمی قطعی اور غیر متبدل صفت بن جاتی ہے، بلکہ ملکیت کے تبدل سے مال کا حکم بدل جاتا ہے۔

امام برہان الدین علی المرغینانی لکھتے ہیں:

"غارم اسے کہتے ہیں کہ جس پر قرض ہو اور قرض کی رقم سے زائد کم از کم نصاب کے برابر اس کے پاس مال نہ ہو۔ اور امام شافعی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دو متصادم گروہوں کے درمیان صلح کے لئے اور قبیلوں کے درمیان عداوت کو ختم کرنے کے لئے جو مالی ذمے داری کسی نے قبول کی ہو، وہ بھی 'غارم' کے تحت زکوٰۃ کا مصرف بن سکتا ہے، (ہدایہ، ج:2، ص:70)"۔

علامہ فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی لکھتے ہیں:

اِذَا وُهِبَ الدَّيْنُ مِنَ الْمَدْيُوْنِ بَعْدَ الْحَوْلِ يَنْوِيْ بِهِ الزَّكَاةَ اِنْ كَانَ الْمَدْيُوْنُ غَنِيًّا لَايَجُوْزُ وَيَضْمَنُ الْوَاهِبُ قَدْرَالزَّكَاةِ اِسْتِحْسَانًا وَاِنْ كَانَ الْمَدْيُوْنُ فَقِيْرًا فَوَهَبَ الدَّيْنَ يَنْوِيْ بِهِ زِكَاةَ مَالِ عَيْنٍ عِنْدَالْوَاهِبِ لَا تَسْقُطُ عَنْهُ زَكَاةُ ذَالِكَ الْمَالِ وَكَذَا لَوْنَوٰى بِهِ زَكَاةَ دَيْنٍ اٰخَرَ عَلٰى غَيْرِهٖ وَلَوْوَهَبَ جَمِيْعَ الدَّيْنِ مِنَ الْمَدْيُوْنِ بِنِيَّةِ الزَّكَاةِ عَنِ الدَّيْنِ فِي الْاِسْتِحْسَانِ يَكُوْنُ مُؤَدِّيًا تَسْقُطُ عَنْهُ الزَّكَاةُ وَكَذَا لَوْ وَهَبَ كُلَّ الدَّيْنِ مِنَ الْمَدْيُوْنِ وَلَمْ يَنْوِ بِهِ الزَّكَاةَ كَانَ مُؤَدِّيًا زَكَاةَ هٰذَ الدَّيْنِ اِسْتِحْسَانًا۔

ترجمہ: ’’جب قرض خواہ سال گزرنے کے بعد مقروض کو زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت سے قرض ہبہ کردے، تو اگر مقروض غنی ہے، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور واہب استحساناً اُس قرض کی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا (کیوں کہ اس سے فقراء کا حق ضائع ہوتا ہے)۔ اگر مدیون فقیر ہے اور دائن نے اپنے پاس موجود مال کی زکوٰۃ کی نیت سے وہ قرض اُس فقیر کو ہبہ کردیا (یعنی اپنا مطالبۂ قرض ساقط کردیا)، تو اِس سے اُس مال کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی (کیونکہ قرض دیتے وقت اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی)، اسی طرح اگر کسی دوسرے شخص پر اُس دائن کا قرض ہے، تو اس فقیر کو اِس کے ذمّے واجب قرض ہبہ کرنے سے دوسرے مدیون پر عائد اُس رقم کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اگر دائن نے مدیون کے ذمّے واجب الاداء قرض زکوٰۃ کی نیت سے پورے کا پورا ہبہ کردیا، تو اس قرض کی استحساناً زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اُس دائن سے اس قرض کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر دائن نے مدیون پر عائد کل قرض بغیر نیتِ زکوٰۃ ہبہ کردیا تو بھی اِس قرض کی زکوٰۃ استحساناً ادا ہو جائے گی‘‘۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیہ، جلد:01، ص:264)

قرض کی مختلف انواع واقسام کے بارے میں الگ عنوان کے تحت بحث آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

فی سبیل اللہ کا مصداق:

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

’’اس سے مجاہدین مراد ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک غنی مجاہد بھی زکوٰۃ کے مال سے لے سکتا ہے، امام مالک، ابواسحاق اور ابوعبید کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف محتاج مجاہد زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جان لو کہ ’’فی سبیل اللہ‘‘ کو مجاہدین تک محدود رکھنا درست نہیں ہے، اسی لئے قفال نے اپنی

تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال کو خیر کے تمام کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے، جن میں مردوں کو کفن دینا، قلعے تعمیر کرنا اور مسجدیں بنانا شامل ہیں، کیونکہ فی سبیل اللہ میں عموم ہے"۔
(تفسیر کبیر، جلد:15، ص:113)

نوٹ: یہ شوافع کا مذہب ہے۔

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

"اس سے وہ مجاہدین اور حجاج مراد ہیں، جن کا رابطہ اپنے گھر اور مال سے منقطع ہوگیا ہو۔ اور ایک قول کے مطابق طالبانِ علم مراد ہیں اور "فتاویٰ ظہیریہ" میں اسی تک محدود رکھا ہے۔ "بدائع الصنائع" میں بیان کیا کہ ہر وہ قربت جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں کے لئے سعی کی جائے۔ "البحر الرائق" میں ہے کہ تمام صورتوں میں فقر کی قید شامل ہے، اس صورت (فی سبیل اللہ) میں اس کا ثمرہ زکوٰۃ میں ظاہر نہیں ہوگا، یہ وصایا اور اوقاف میں ظاہر ہوگا (یعنی ان کاموں کے لئے صدقۂ جاریہ کی وصیت کی جاسکتی ہے یا وقف کیا جاسکتا ہے)"۔
(روح المعانی، جلد:06، ص:123)

ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی لکھتے ہیں:

وَاَمَّا قَوْلُهُ تَعَالىٰ: (وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اَلتَّوْبَة: 60) عِبَارَةٌ عَنْ جَمِيْعِ الْقُرَبِ، فَيَدْخُلُ فِيْهِ كُلُّ مَنْ سَعٰى فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَسَبِيْلِ الْخَيْرَاتِ اِذَا كَانَ مُحْتَاجًا، وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ: اَلْمُرَادُ مِنْهُ فُقَرَاءُ الْغُزَاةِ، لِاَنَّ سَبِيْلَ اللّٰهِ اِذَا اُطْلِقَ فِىْ عُرْفِ الشَّرْعِ يُرَادُ بِهٖ ذٰلِكَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: اَلْمُرَادُ مِنْهُ الْحَاجُّ الْمُنْقَطِعُ لِمَا رُوِىَ اَنَّ رَجُلًا جَعَلَ بَعِيْرًا لَهٗ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَاَمَرَهُ النَّبِىُّ ﷺ اَنْ يَّحْمِلَ عَلَيْهِ الْحَاجَّ، وَقَالَ الشَّافِعِىُّ: يَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكٰوةِ اِلَى الْغَازِىْ وَاِنْ كَانَ غَنِيًّا، وَاَمَّا عِنْدَنَا فَلَايَجُوْزُ اِلَّا عِنْدَ اِعْتِبَارِ حُدُوْثِ الْحَاجَةِ، وَاحْتَجَّ بِمَا رُوِىَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: "لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِىٍّ اِلَّا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ابْنِ السَّبِيْلِ اَوْ رَجُلٍ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ فَاَعْطَاهَا لَهٗ"، وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: "لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ اِلَّا لِخَمْسٍ: اَلْعَامِلِ عَلَيْهَا، وَرَجُلٍ اِشْتَرَاهَا، وَغَارِمٍ، وَغَازٍ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَفَقِيْرٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ فَاَهْدَاهَا اِلٰى غَنِىٍّ"، نَفٰى حِلَّ الصَّدَقَةِ لِلْاَغْنِيَاءِ وَاسْتَثْنَى الْغَازِىَ مِنْهُمْ، وَالْاِسْتِثْنَاءُ مِنَ النَّفْىِ اِثْبَاتٌ فَيَقْتَضِىْ حِلَّ الصَّدَقَةِ لِلْغَازِى الْغَنِىِّ۔

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ''، اس سے وہ تمام (اعمال) ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قُربت اور رضا کے لئے ہوں، تو اِس میں ہر وہ شخص داخل ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نیکی کے کاموں میں سعی کرے، بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔ اور امام ابو یوسف نے کہا: اِس سے مراد وہ مجاہدین ہیں، جو فقیر ہوں، اِس لئے کہ جب ''سبیل اللہ'' مطلق بولا جائے تو عرفِ شرع میں اُس سے مجاہدین ہی مراد ہوتے ہیں۔ اور امام محمد نے کہا: اِس سے مراد وہ حجاجِ کرام ہیں جن کا زادِ راہ ختم ہو چکا ہو، کیوں کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ ''فی سبیل اللہ'' دے دیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اِس پر (کسی ضرورت مند) حاجی کو سوار کردو، اور امام شافعی نے کہا: مجاہد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ وہ مال دار ہو۔ لیکن ہمارے (احناف کے) نزدیک (غنی مجاہد یا حاجی کو دینا) اُس وقت جائز ہے جب اِس کی حاجت پیش آجائے، انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مَروی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مال دار کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے، مگر اُس کے لئے (۱) جو اللہ کی راہ میں مصروفِ عمل ہو یا (۲) مسافر ہو یا (۳) کسی شخص نے اپنے مسکین پڑوسی کو صدقہ دیا، تو اُس نے اِسے (ہبہ یا تحفے کے طور پر اُس میں سے کچھ) دے دیا۔ اور انہوں نے حضرت عطاء بن یسار سے مروی اس حدیث سے بھی استدلال کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اِن پانچ قسم کے اشخاص کے سوا (کسی مال دار کے لئے) صدقہ جائز نہیں ہے: (۱) جو شخص حاکمِ اسلام کی طرف سے صدقات کی وصولیابی پر مامور ہو (۲) وہ شخص جس نے کسی مستحق سے صدقے کا مال خریدا ہو (۳) جو کسی مالی تاوان میں پھنس گیا ہو (۴) جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہو (۵) فقیر کو کسی مال دار نے صدقہ دیا ہو اور وہ اپنی طرف سے کسی غنی کو ہدیہ دے دے۔ نبی ﷺ نے مال داروں کے لئے صدقے کے جواز کی نفی فرمائی اور ان میں سے مجاہد کا اِستثناء فرمایا، اور نفی پر جب استثناء داخل ہو تو وہ اثبات کا معنیٰ دیتا ہے، پس اِس کا تقاضا یہ ہے کہ مال دار غازی کے لئے صدقہ جائز ہے ------۔ اس کے بعد علامہ کاسانی امام شافعی کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولنا قولُ النبیِّ ﷺ: "لا تحلُّ الصَّدقةُ لِغنيٍّ" وقولُهُ ﷺ: "اُمِرْتُ اَنْ اٰخذَ الصَّدقةَ مِنْ اَغنیائِکُم واَرُدَّھا فی فُقرائِکُم" جعلَ النّاسَ قسمَیْنِ: قِسمًا یُؤْخذُ مِنْھُم وقِسمًا یُصرَفُ اِلَیھِم، فَلَوْ جازَ صرفُ الصَّدقةِ اِلی الغنيِّ لبطلتِ القِسمةُ، وھٰذا لایجوزُ، واَمّا اِستِثناءُ الغازِی فمحمولٌ علی حالِ حُدُوثِ الحاجةِ وسمّاہُ غنیًّا علی اعتبارِ ما کانَ قَبلَ حُدُوثِ الحاجةِ، وھُوَ اَنْ یَّکُونَ غنیًّا ثُمَّ

تَحْدُثُ لَهُ الْحَاجَةُ بِأَنْ كَانَ لَهُ دَارٌ يَسْكُنُهَا وَمَتَاعٌ يَمْتَهِنُهُ وَثِيَابٌ يَلْبَسُهَا وَلَهُ مَعَ ذٰلِكَ فَضْلُ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ حَتّٰى لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ، ثُمَّ يَعْزِمُ عَلَى الْخُرُوْجِ فِيْ سَفَرِ غَزْوٍ فَيَحْتَاجُ إِلٰى آلَاتِ سَفَرِهِ وَسِلَاحٍ يَسْتَعْمِلُهُ فِيْ غَزْوِهِ وَمَرْكَبٍ يَغْزُوْ عَلَيْهِ وَخَادِمٍ يَسْتَعِيْنُ بِخِدْمَتِهِ عَلٰى مَا لَمْ يَكُنْ مُحْتَاجًا إِلَيْهِ فِيْ حَالِ إِقَامَتِهِ، فَيَجُوْزُ أَنْ يُعْطٰى مِنَ الصَّدَقَاتِ مَا يَسْتَعِيْنُ بِهِ فِيْ حَاجَتِهِ الَّتِيْ تَحْدُثُ لَهُ فِيْ سَفَرِهِ وَهُوَ فِيْ مَقَامِهِ غَنِيٌّ بِمَا يَمْلِكُهُ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُحْتَاجٍ فِيْ حَالِ إِقَامَتِهِ فَيَحْتَاجُ فِيْ حَالِ سَفَرِهِ فَيُحْمَلُ قَوْلُهُ: لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ كَانَ غَنِيًّا فِيْ حَالِ مَقَامِهِ، فَيُعْطٰى بَعْضَ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ لِسَفَرِهِ لِمَا أَحْدَثَ السَّفَرُ لَهُ مِنَ الْحَاجَةِ إِلَّا أَنَّهُ يُعْطٰى حِيْنَ يُعْطٰى وَهُوَ غَنِيٌّ، وَكَذَا تَسْمِيَةُ الْغَارِمِ غَنِيًّا فِي الْحَدِيْثِ عَلَى اعْتِبَارِ مَا كَانَ قَبْلَ حُلُوْلِ الْغُرْمِ بِهِ وَقَدْ حَدَثَتْ لَهُ الْحَاجَةُ بِسَبَبِ الْغُرْمِ وَهٰذَا لِأَنَّ الْغَنِيَّ اِسْمٌ لِمَنْ يَسْتَغْنِيْ عَمَّا يَمْلِكُهُ، وَإِنَّمَا كَانَ كَذٰلِكَ قَبْلَ حُدُوْثِ الْحَاجَةِ فَأَمَّا بَعْدَهُ فَلَا۔

ترجمہ: ''اور ہماری دلیل نبی علیہ السلام کا یہ قول ہے: ''صدقہ غنی کے لئے جائز نہیں ہے'' اور آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے مال داروں سے صدقہ لوں اور تمہارے فقراء کی طرف لوٹا دوں'' (پس آپ علیہ السلام نے) لوگوں کی دو قسمیں کی ہیں: ایک قسم وہ ہے جن سے صدقہ لیا جائے گا اور دوسری قسم وہ ہے جن کو صدقہ دیا جائے گا۔ اور اگر غنی کو صدقہ دینا جائز ہوتا، تو یہ تقسیم باطل ہوتی اور یہ بات جائز نہیں ہے۔ لیکن (غنی) مجاہد کو (صدقہ دینے کے لئے) جو مستثنیٰ کیا گیا ہے، تو یہ حاجت پیدا ہونے پر محمول ہے اور اس پر جو غنی کا اطلاق کیا گیا ہے، تو یہ حاجت پیدا ہونے سے پہلے والی حالت کے اعتبار سے ہے۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص غنی ہے پھر اُس کو حاجت پیدا ہوگئی، وہ اس طرح کہ اس کے پاس رہنے کے لئے مکان بھی ہے اور ضرورت کا ساز وسامان بھی ہے اور پہننے کو لباس بھی ہے اور اِس کے باوجود اُس کے پاس دوسو درہم فاضل رقم بھی ہے، یہاں تک کہ اُس کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے پھر وہ جہاد کے سفر پر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کے لئے اُسے سفر کے ساز وسامان اور جہاد کے لئے اسلحہ اور سواری کی بھی ضرورت ہے اور مددگار خادم کی بھی ضرورت ہے، حالانکہ وہ اپنے گھر پر رہتے ہوئے اِن میں سے کسی چیز کا محتاج نہیں تھا۔ پس اس (غنی) مجاہد کو صدقہ دینا جائز ہے، جس کی اسے اپنے سفرِ جہاد کے لئے ضرورت درپیش ہو، حالانکہ وہ اپنے گھر پر اپنے ملکیتی مال کی وجہ

سے غنی ہے اور اُسے کوئی احتیاج نہیں ہے، لیکن سفرِ جہاد کے لئے اُسے حاجت درپیش ہے۔ پس نبی ﷺ کے اِس قول: ''غنی کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے''، کو اُس مجاہد پر محمول کیا جائے گا جو اپنے گھر پر رہتے ہوئے غنی ہے، (اِس کے باجود) چونکہ اسے سفرِ جہاد پیش آ گیا ہے، تو اُس کی سفری ضروریات کے لئے اُسے صدقے کا مال دیا جائے گا، (یہ ایسی صورتِ حال ہے کہ بظاہر) اُسے غنی ہوتے ہوئے صدقہ دیا جارہا ہے۔ اِسی طرح کسی مالی تاوان میں پھنسے ہوئے یا مقروض شخص کو بھی حدیث میں غنی کہا گیا ہے، اُس پر بھی غنا کا اطلاق اس مالی تاوان یا قرض میں مبتلا ہونے سے پہلے کے اعتبار سے ہے اور اب مالی تاوان میں پھنس جانے کی وجہ سے اُسے حاجت پیش آ گئی ہے اور یہ اِس لئے کہ غنی اُسے کہتے ہیں جو اپنے ملکیتی مال کی وجہ سے مستغنی ہو، لیکن یہ صورتِ حال حاجت لاحق ہونے سے پہلے تھی، اس کے بعد نہیں''۔ (بدائع الصنائع، جلد:02، ص:68)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اس سے مراد وہ حج کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہیں جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو اور اپنے افلاس کی وجہ سے وہ جنگی ساز و سامان مہیا نہ کر سکتے ہوں ان کی اعانت بھی مالِ زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مُراد صرف یہ دو قسم کے لوگ نہیں بلکہ ہر وہ کام جس میں عامۃ المسلمین کا فائدہ ہو وہ سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ دینی مدرسے جس میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی ہو اور دین کے مبلغ اور محقق تیار کیے جاتے ہوں وہ بطریقِ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ شیخ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں اس کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا ہے: وقال الآلوسی فی تفسیر الکلمة عندالحنفیه ارید بذالك عند ابی یوسف منقطعوا الغزاة والحجیج وقیل المراد طلبة العلم واقتصر علیه فی الفتاویٰ الظهیریة وفسّره فی البدائع بجمیع القرب فیدخل فیه کل سعی فی طاعة اللّٰه: علامہ آلوسی نے اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے مراد وہ غازی اور حاجی ہیں جو اپنے وطن سے دور ہوں اور ان کے پاس اپنے اخراجات پورے کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اور بعض نے اس سے مراد طلبہ لئے ہیں۔ اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے تو اس سے مراد فقط طالبِ علم ہی لئے ہیں۔ اور صاحبِ بدائع کے نزدیک ہر وہ نیک کام سبیل اللہ میں داخل ہے، جس سے قُربِ الٰہی حاصل ہو سکے۔ اس کے بعد صاحب المنار رقم طراز ہیں: والتحقیق ان سبیل

الله هنا مصالح المسلمين عامة التی بها قوام امر الدّين والدولة دون الافراد،(ج:۱،ص:۵۸۵)۔

ترجمہ: ”تحقیق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ مصالح اور مفید کام ہیں جن سے مخصوص افراد نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔جن سے دین اور دولت دونوں کو تقویت حاصل ہو“۔ومن اھم ماینفق فی سبیل اللّٰہ فی زماننا ھذا اعدادالدعاۃ الی الاسلام وارسالھم الی بلاد الکفار من قبل جمعیات منظمة تمدھم بالمال الکافی کما یفعله الکفار فی نشر دینھم ،(ج:۱۰،ص:۵۸۷)۔ترجمہ: ”ہمارے زمانہ میں سب سے اہم کام جس میں اس مد کا روپیہ خرچ کیا جائے ،وہ مبلغینِ اسلام کو تیار کرنا ہے اور انہیں منظم انجمنوں کی نگرانی میں کفار کے ممالک میں تبلیغِ دین کے لئے بھیجنا ہے ،وہ ان کی اتنی مالی مدد کریں جو ان کی ضروریات کو پورا کرے ،جیسا کہ کفار اپنے دین کی اشاعت کے لئے کرتے ہیں۔اس میں مدارسِ اسلامیہ داخل ہیں جن میں علومِ دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ان کے علاوہ وہ کام جن میں مصلحتِ عامہ ہے“۔

(ضیاء القرآن ،جلد:02،ص:225-224)

موجودہ دور میں چونکہ مسلم حکومتوں کی باقاعدہ مسلح افواج ہیں ،جنہیں باقاعدہ باوقار تنخواہ ملتی ہے ،جدید اسلحہ کے استعمال اور جدید دور کی جنگی حکمتِ عملی (War Strategy) کی تربیت دی جاتی ہے۔اس لئے غیر تربیت یافتہ مجاہدین کی جنگ میں شرکت عملاً ممکن نہیں ہے۔اس لئے مجاہدین یا غُزاۃ کا شعبہ موجود نہیں ہے۔عام شہریوں (Civilians) کو بعض اوقات شہری دفاع (Civil Defence) کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ جنگی صورتِ حال میں وہ حساس تنصیبات کی حفاظت کرسکیں ،شہریوں کو بیرونی حملے کی صورت میں حفاظتی تدابیر کی تربیت وغیرہ دے سکیں۔یہ کوئی کل وقتی کام نہیں ہے بلکہ ہنگامی صورتِ حال میں ایسے افراد کی ضرورت پیش آتی ہے ، تاہم اگر کبھی اسلامی حکومت کی طرف سے نفیرِ عام (General Call for war) کا اعلان ہوجائے ،تو اپنے اپنے وسائل اور استعداد کے مطابق ہر شہری پر مسلح افواج کی معاونت لازم ہے ،ایسی صورتِ حال میں ان مجاہدین کی زکوٰۃ سے مدد کی جاسکتی ہے جو جسمانی خدمت تو انجام دے سکتے ہیں لیکن مالی وسائل نہیں رکھتے۔ عام حالات میں زکوٰۃ کا یہ مصرف موجود نہیں ہے۔البتہ دینی مدارس کے مستحق طلبہ اب بھی ”فی سبیل اللہ“ کے عنوان کے تحت زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں۔

ابن السبیل کا مصداق:

امام برہان الدین علی المرغینانی لکھتے ہیں:

ابن السبیل سے مراد ایسا مسافر جو وطن سے دور ہو، اگرچہ اس کے پاس وطن میں مال ہو، لیکن اس کی دسترس میں نہ ہو، (ہدایہ، ج:2،ص:70، مطبوعہ: مکتبۃ البشریٰ)''۔

آج کل چونکہ دنیا عالمی قریہ (Global Village) بن چکی ہے اور اطلاعات و پیغام رسانی کے وسائل بہت زیادہ ہیں، اس لئے اگر کوئی مالدار آدمی وطن سے دور ہو تو بہت کم مواقع ایسے ملیں گے کہ وہ اپنے وطن سے رابطہ کر کے اپنی ضرورت کا مال حاصل نہ کر سکے، تاہم ایک خفیف امکان بہرحال موجود رہتا ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: مسافر جو غیرِ معصیت میں سفر کا ارادہ کرتا ہے اور کسی کی مدد کے بغیر اپنی منزل تک پہنچنے سے عاجز ہے، وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے''۔

(تفسیر کبیر، ج:15،ص:113)

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

وہ مسافر جس کا رابطہ اپنے مال سے منقطع ہو چکا ہو، ''ظہیریہ'' کے مطابق اس کے لئے زکوٰۃ لینے کے بجائے قرض لینا بہتر ہے اور ''فتح القدیر'' میں ہے کہ اسے ضرورت سے زیادہ زکوٰۃ نہیں لینی چاہئے۔ وہ سب لوگ اسی عنوان کے تحت آتے ہیں جن کا اپنے وطن میں مال ہو مگر اس سے رابطے (یا استفادے) کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور ''محیط'' میں ہے کہ اگر تاجر کا لوگوں پر قرض ہے، لیکن اسے وصول نہیں ہو رہا اور اس کے پاس کوئی اور مال بھی نہیں ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ اس وقت عملاً مسافر کی طرح فقیر ہے''۔

(روح المعانی، جلد:06،ص:124)

زکوٰۃ میں تملیک

تملیک کے بارے میں زکوٰۃ کے چند اہم سوالات:

حال ہی میں ہمارے پاس بعض رفاہی (welfare) اداروں کی جانب سے مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں چند سوالات آئے، بنیادی طور پر یہ سوالات ''تملیک'' ہی سے متعلق ہیں۔ ذیل میں ہم پہلے اُن اداروں کے

سوالات نقل کریں گے اور پھر جوابات پیش کریں گے:

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے سوالات

سوال: علماءِ دین ان سوالات کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) اسلامی حکومت کی موجودگی میں کوئی سیاسی، رفاہی، غیر حکومتی گروہ، تنظیم یا جماعت زکوٰۃ جمع کرسکتی ہے یا نہیں؟۔

(۲) ایسی اسلامی حکومت میں جس کا دستور تو اسلامی ہو لیکن کچھ دفعات معطل ہوں، کوئی سیاسی، رفاہی، غیر حکومتی گروہ، تنظیم یا جماعت زکوٰۃ جمع کرسکتی ہیں یا نہیں؟۔

(۳) اسلامی حکومت کی غیر موجودگی میں کوئی ایسی تنظیم جس کا دستور اسلامی ہو، زکوٰۃ اکٹھی کرسکتی ہے یا نہیں؟۔

(۴) اگر حکومت اسلامی ہو تو اس کا زکوٰۃ لینا کیوں درست ہے، جب کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے افراد قبولیت کے لئے معلوم ہیں۔

(۵) اگر اسلامی حکومت زکوٰۃ جمع کرسکتی ہے تو پھر کوئی بھی اسلامی تنظیم زکوٰۃ جمع کر کے معلوم مدات میں کیوں خرچ نہیں کرسکتی؟۔

(۶) زکوٰۃ جمع کرنے کے ضمن میں عموماً عامل کا تقرر اسلامی حکومت میں امیر/امام/خلیفہ ہی مقرر کرسکتا ہے اور تقسیم کرنے کے ضمن میں تملیک کا تذکرہ ہوتا ہے؟۔

(۷) زکوٰۃ کے لئے کسی فرد کی قبولیت شرط ہے تو پھر فی سبیل اللہ میں زکوٰۃ کی قبولیت کیسے کروائی جائے گی۔ فی سبیل اللہ میں تملیک اور بغیر تملیک جیسے وَفِی الرِّقَابِ (غلام) مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوب (تالیفِ قلب) فقراء، مساکین، مقروض، مسافر کے کھانے، پناہ گاہ اور دیگر ضرورت کے لئے زکوٰۃ استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔

(۸) فی سبیل اللہ میں رَجُلٌ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رستے میں خرچ کی بات کی گئی ہے۔ جس میں درس وتدریس اور رفاہی ہسپتالوں کی بلڈنگ، دفتر، مکانات، کتابوں کی پرنٹنگ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان سب مدات میں تملیک تو ممکن نہیں۔ ایسی تمام مدات میں زکوٰۃ کیسے خرچ کی جائے گی؟۔

(۹) زکوٰۃ میں مریض کے علاج کے لئے دوا، رفاہی ہسپتالوں کے ڈاکٹرز اور دیگر عملہ کی تنخواہیں، ایمبولینس کے اخراجات وغیرہ کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟۔

(۱۰) ہماری تنظیم پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (پیما) ایک اسلامی تنظیم ہے، اس کا دستور موجود ہے اور یہ "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (آل عمران 104)" کے تحت کام کر رہی ہے۔ اس تنظیم کے پاکستان میں تقریباً 4000 ممبران موجود ہیں۔ یہ تنظیم ڈاکٹروں کی اسلامی خطوط پر ٹریننگ کا کام کرتی ہے تا کہ بحیثیت مسلمان ڈاکٹر اپنے فرائض کو سمجھ سکیں اور ایک اچھے پروفیشنل مسلمان ڈاکٹرز بن سکیں۔ اس تنظیم کو چلانے کے لئے اس کے تنظیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے اس کے ممبران اعانت (عطیات) دیتے ہیں اور اسی اعانت سے یہ تنظیم چل رہی ہے۔

(۱۱) اس کے ساتھ ساتھ یہ تنظیم مختلف رفاہی کام بھی کرتی ہے، قدرتی آفات کی صورت میں پاکستان اور بیرون ملک متاثرین کو طبی امداد فراہم کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں رفاہی ہسپتال، کلینک اور فری میڈیکل کیمپس بھی کام کر رہے ہیں۔ جن کے اخراجات کے لئے عطیات، صدقات اور زکوۃ جمع کئے جاتے ہیں، جو صرف میڈیکل ریلیف کے کاموں میں خرچ ہوتے ہیں۔ ریلیف کے تمام پراجیکٹس کی نگران یہ تنظیم (پیما) ہی ہے۔

(۱۲) زکوۃ خرچ کرنے کے معاملے میں کیا ہماری تنظیم (پیما) وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا کے زمرے میں آتی ہے؟ کیا عطیات، صدقات اور زکوۃ کا آٹھواں حصہ یعنی 12.5 فیصد اس تنظیم (پیما) کے انتظامی امور، جو کہ ریلیف کے انتظامی امور سے الگ ہوں، کے لئے حاصل کئے جائیں تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟۔

(۱۳) کیا یہ تنظیم (پیما) ایک عامل کی حیثیت رکھتی ہے؟ کیوں کہ اگر یہ تنظیم نہ ہو تو نہ زکوۃ اکٹھی ہو سکتی ہے اور نہ ہی ریلیف کا کام ہو سکتا ہے۔ ریلیف کے کام کے لئے الگ سے کوئی تنظیم موجود نہیں ہے بلکہ اس کو چلانے کے لئے اور اسے مضبوط بنیادیں فراہم کرنے کے لئے فنڈز کی ضرورت ہے تا کہ یہ تنظیم ڈاکٹروں کی تربیت کے ساتھ ساتھ ریلیف کا کام بھی منظم بنیادوں پر کر سکے۔

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن

انچارج طبی فقہی بورڈ

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (پیما)

انجمن ارائیاں پاکستان، کراچی (سندھ) کے سوالات

انجمن ارائیاں، سندھ بھر کی ارائیں برادری کی نمائندہ سماجی وفلاحی تنظیم ہے جو کہ حکومت سندھ کے متعلقہ ادارے سے رجسٹرڈ ہے۔ ہماری تنظیم، ارائیں برادری کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی کے امور سرانجام دینے کے علاوہ دیگر برادریوں کے غریب و نادار، یتیم ومساکین، غریب مگر ہونہار طلبہ وطالبات، بیواؤں، جہیز کی حق دار بچیوں کو جہیز کی فراہمی اور مستحق افراد کو طبی امداد اور دیگر ضرورت مند افراد کی بھی زکوٰۃ فنڈ سے مدد کرتی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم ارائیں برادری کے صاحبِ حیثیت ومخیّر حضرات سے اکٹھی کی جاتی ہے۔

ہماری تنظیم کے کراچی سمیت سندھ بھر میں ہسپتال، ڈسپنسریاں، سلائی سنٹرز، ناظرہ قرآن کی تعلیم کے سینٹرز (مدرسے) اور تعلیمی ادارے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو کہ مقامی آبادی کے افراد کی بلاتفریق برادری و رنگ ونسل مفت خدمت کررہے ہیں۔ علاوہ ازیں قدرتی آفات سے متاثرہ عوام کو بھی مشکل وقت میں زکوٰۃ فنڈ سے بھرپور مدد کی جاتی ہے۔ گزشتہ سیلاب اور تباہ کن بارشوں سے متاثرہ افراد کی نہ صرف بروقت مدد کی گئی بلکہ متاثرہ علاقوں میں بے گھر لوگوں کی بحالی پر بھی لاکھوں روپے خرچ کیے گئے۔ بارش اور سیلاب زدہ علاقوں میں کام کے دوران ایمبولینس سروس کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی، اس سلسلے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ کیا ہم زکوٰۃ فنڈ سے ایمبولینس خرید سکتے ہیں تاکہ مخلوقِ خدا کی مدد کرنے میں مزید بہتری لائی جاسکے۔

(محمد پرویز ارائیں، چوہدری محمد شبیر ارائیں)

جواب: چونکہ ان سوالات کی روح یا مرکزی خیال ایک ہے اور یہ ہمارے فقہاءِ کرام کے بیان کردہ اصول ''تمليك للفقراء في الزكوٰة'' سے متعلق ہے اور کسی حد تک ''فی سبیل اللہ'' سے متعلق ہے۔ جواب طلب سوالات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ کہ رفاہی اداروں کے منتظمین کی حیثیت کیا ہے؟۔

۲۔ آیا یہ ادارے ''عاملینِ زکوٰۃ'' کے زمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟۔ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر ان اداروں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔ ان پر ادائیگیِ زکوٰۃ کے فقہی ''اصول تملیک'' کا اطلاق کیسے ہوگا اور یہ کہ کیا ان اداروں کو زکوٰۃ جمع کرنے کا حق حاصل ہے۔

۳۔ دینی مدارس کے مہتممین / ناظمین اعلیٰ کس زمرے میں آتے ہیں۔

۴۔قرآن مجید میں بیان کردہ مصرفِ زکوٰۃ ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق کیا ہے اور اس کا اطلاق کیسے ہوگا؟۔
ہم پہلے زکوٰۃ میں ''تملیک'' کے فقہی اصول کی تشریح کریں گے اور بعد میں اِن سوالات کی روح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک جامع جواب دیں گے۔

قرآن وحدیث میں تملیک کے صریح قرائن:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱)إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ○

ترجمہ:''تمہارا دوست (محب) اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومن ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں (بھی) زکوٰۃ دیتے ہیں، (المائدہ:55)''۔

(۲)فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ○

ترجمہ: میں (دنیا اور آخرت کی بھلائی) ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا، جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، (الاعراف:156)''۔

(۳)وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

ترجمہ:''اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، (توبہ:71)''۔

(۴۔۵)الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ○

ترجمہ:''جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں''۔

(نمل:03،لقمان:04)

مندرجہ بالا آیات مبارکہ اور قرآن مجید میں بعض دیگر مقامات پر زکوٰۃ وصدقات دینے کے لئے ''اِیتاء'' کا کلمہ آیا ہے اور امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

والایتاء:الاعطاء، وخص وضع الصدقة فی القرآن بالاعطاء

ترجمہ:''ایتاء کے معنی ہیں عطا کر دینا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صدقہ نکالنے کو عطا کرنے کے ساتھ خاص فرمایا ہے، (المفردات،ص:61)''۔

اسی طرح قرآن مجید میں زکوٰۃ کو سائل اور نادار کا حق قرار دیا ہے اور کسی کا حق اُسی وقت ادا ہوتا ہے، جب اُسے

مالکانہ بنیاد پر دے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ

ترجمہ:''اور ان (مال داروں) کے مال میں سائل اور (نعمتِ مال) سے محروم کا حق ہے، (الذاریات:19)''۔

سورۂ توبہ:60 میں بیشتر مداتِ زکوٰۃ کے لئے کلمہ ''ل'' آیا ہے اور بیشتر مفسرین اور ائمۂ کرام نے اسے ''تملیک'' کے معنی میں لیا ہے، یعنی زکوٰۃ کا مال فقراء و مساکین و دیگر مستحقین کی مِلک کردو۔

علامہ قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی حنفی، متوفّٰی 1069ھ لکھتے ہیں:

ترجمہ ''پہلے چار مصارف کے ساتھ ''لام'' اور آخری چار مصارف کے ساتھ ''فی'' ذکر کرنے میں نقطہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں اُن کو زکوٰۃ سے اُن کا حصہ ادا کر کے اِس کا مالک بنا دیا جائے اور آخری چار مصارف میں اُن کو زکوٰۃ میں سے اُن کے حصے کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کا حصہ ان کی فلاح اور اُن کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، مکاتَب کا مال اُس کے مالک کو دیا جائے گا اور مقروض کا مال (یعنی اُس کے حصے کی زکوٰۃ) اُس کے قرض خواہ کو دیا جائے گا اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنا بالکل واضح ہے اور مسافر بھی اللہ کے راستے میں داخل ہے، اس کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس کی خصوصیت پر تنبیہ ہو''۔

(عنایت القاضی، جلد:04، ص:588، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی، متوفّٰی 606ھ لکھتے ہیں:

ترجمہ:''پہلے چار مصارف میں ''لام'' اور آخری چار مصارف میں ''فی'' ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں زکوٰۃ سے اُن کا حصہ دے کر اُس کا مالک بنا دیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، (تفسیر کبیر، جلد:06، ص:87-86)''۔

علامہ عمر بن علی الدمشقی حنبلی اور علامہ خازن شافعی نے بھی یہی لکھا ہے کہ پہلے چار مصارف میں تملیک ضروری ہے اور آخری چار میں تملیک کے بجائے اُن کی ضروریات اور مصالح میں زکوٰۃ خرچ کی جائے''۔

(تفسیر خازن، جلد:02، ص:203)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی لکھتے ہیں:
ترجمہ: ''اور امام شافعی نے کہا: ''لام'' تملیک کے لئے ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''اَلْمَالُ لِزَیْدٍ وَّعَمْرٍو وَّبَکْرٍ'' یعنی مال زید، عمرو اور بکر کے لئے ہے''۔

(الجامع لاحکام القرآن، جلد:4، ص:167)

علامہ ناصر الدین ابن منیر مالکی لکھتے ہیں:

قَالَ اَحمَدُ: وَثَمَّ سِرٌّ آخَرُ هُوَ اَظهَرُ وَاَقرَبُ، ذٰلِكَ اَنَّ الْاَصنَافَ الْاَربَعَةَ الْاَوَائِلَ مِلَاكٌ لِمَا عَسَاهُ يُدفَعُ اِلَيهِمْ، وَاِنَّمَا يَأخُذُونَهُ مِلكًافَكَانَ دُخُولُ اللَّامِ لَائِقًا بِهِمْ ۔

ترجمہ: ''امام احمد نے کہا: یہاں ایک اور راز کی بات ہے اور یہ زیادہ واضح اور نصِ قرآنی کے قریب ہے وہ یہ کہ پہلی چار قسمیں اس چیز کی مالک ہوتی ہیں جو ان کو دیئے جانے کی قوی امید ہے۔ اور وہ اِس مالِ زکوٰۃ کو بطورِ ملکیت لیں گے، تو اِن (چار اقسام) پر ''لام'' کا داخل ہونا مناسب ہے''۔

(کتاب الانتصاف علیٰ حاشیۂ تفسیر الکشاف للزمخشری، ص:439، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ موسیٰ بن احمد الحجاوی الصالحی المتوفّٰی 960ھ، لکھتے ہیں:

وَيُشتَرَطُ لِمِلكِ الْفَقِيرِ لَهَا وَاِجزَائِهَا عَنْ رَّبِّهَا: قَبْضُهُ لَهَا فَلَايُجْزِئُ غَدَاءُ الْفُقَرَاءِ وَلَا عَشَاؤُهُمْ وَلَا يُقْضٰى مِنهَا دَيْنُ مَيِّتٍ غَرِمٍ لِمَصْلِحَتِ نَفْسِهِ اَوْ غَيرِهِ لِعَدَمِ اَهْلِيَّتِهِ لِقَبُولِهَا، كَمَا لَوْ كَفَّنَهُ مِنهَا، وَلَا يَكْفِيْ اِبْرَاءُ الْمَدِيْنِ مِنْ دَيْنِهِ بِنِيَّةِ الزَّكٰوةِ ،

ترجمہ: ''فقیر کے مالک ہونے کے لئے اور صاحبِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ صحیح ادا ہونے کے لئے مالِ زکوٰۃ پر اُس کا قبضہ ضروری ہے، پس فقیر کو صبح یا شام کا کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور مالِ زکوٰۃ سے مقروض میت کا قرض ادا نہیں کیا جا سکے گا، خواہ اُس کا اپنا قرض ہو یا کسی اور کا، کیوں کہ میت اُس کو قبول کرنے کی اہل نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے میت کو کفن پہنانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر کسی مال دار شخص کا کسی فقیر پر قرض ہے اور وہ یہ چاہے کہ وہ مقروض کو قرض سے بری الذمہ کر دے اور یہ قرض زکوٰۃ میں محسوب ہو جائے، تو اِس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔۔۔۔۔ اس کی شرح میں شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی المتوفّٰی 1051ھ نے تقریباً انہی کلمات کو دہرایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہِ حنبلی میں بھی زکوٰۃ کے صحیح طور پر ادا ہونے کے لئے فقیر کا مالِ زکوٰۃ پر ملک اور قبضہ ضروری ہے، (یعنی مالِ زکوٰۃ کو محض فقیر کے لئے مباح کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی)''۔

(کشّافُ القِنَاعِ عَنْ مَتْنِ الاِقْنَاعِ، جلد:02، ص:310، دار الکتب العلمیہ)

امام ابواسحاق ابراہیم بن علی فیروزآبادی شیرازی لکھتے ہیں:

وَيَجِبُ صَرْفُ جَمِيعِ الصَّدَقَاتِ إِلَى ثَمَانِيَةِ أَصْنَافٍ، وَهُمْ: الْفُقَرَاءُ وَالْمَسَاكِينُ وَالْعَامِلُونَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمُونَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنُ السَّبِيلِ،وَقَالَ الْمُزَنِيُّ وَأَبُو حَفْصٍ الْبَابُ شَامِيُّ: يُصْرَفُ خُمُسُ الرِّكَازِ إِلَى مَنْ يُصْرَفُ إِلَيْهِ خُمُسُ الْفَيْءِ وَالْغَنِيمَةِ، لِأَنَّهُ حَقٌّ مُقَدَّرٌ بِالْخُمُسِ فَأَشْبَهَ خُمُسَ الْفَيْءِ وَالْغَنِيمَةِ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُقَدَّرٌ بِالْخُمُسِ، فَأَشْبَهَ خُمُسَ الْفَيْءِ وَالْغَنِيمَةِ ۔۔۔۔۔۔۔اس کے بعد اپنے مسلک کے مطابق اصولِ تقسیم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَأَضَافَ جَمِيعَ الصَّدَقَاتِ إِلَيْهِمْ بِلَامِ التَّمْلِيكِ وَأَشْرَكَ بَيْنَهُمْ بِوَاوِ التَّشْرِيكِ فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُ مَمْلُوكٌ لَهُمْ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمْ ۔

ترجمہ: ''اور تمام صدقات کو آٹھ اقسام میں تقسیم کرنا واجب ہے اور وہ آٹھ اقسام یہ ہیں: فقراء، مساکین، عاملین مؤلفۃ القلوب، وہ جن کی گردن کسی مالی بوجھ تلے دبی ہو یا غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوں، جو اپنے آپ کو، اللہ کی راہ میں وقف کئے ہوئے ہوں اور مسافر۔ مُزَنی اور ابوحفص الباب شامی نے کہا: معدنیات کا خُمس (پانچواں حصہ) انہی کو دیا جائے گا جنہیں مالِ فی اور مالِ غنیمت دیا جاتا ہے، کیونکہ اس کی مقدار بھی خُمس بتائی گئی ہے تو یہ مالِ فی اور مالِ غنیمت کے مشابہ ہوگیا۔۔۔۔۔آگے کی سطور میں فقہِ شافعی کے اصولِ تقسیم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: تمام صدقات کو ان کی طرف لامِ تملیک کے ساتھ مضاف (منسوب) کیا اور ''واوِ جمع'' کے ساتھ ان سب کو اس میں شامل کیا، پس ثابت ہوا کہ اِس مالِ زکوٰۃ کی ملکیت ان کے درمیان مشترک ہے''۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی، جلد:01، ص:71-170، مطبوعہ: دارالفکر)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ سورۂ توبہ:60 میں بیان کئے گئے مصارفِ زکوٰۃ کی ابتدائی چار مدات کے لئے چاروں ائمہ کے نزدیک تملیک یعنی مستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنانا اور مالِ زکوٰۃ پر اُس کا قبضہ شرط ہے۔ فقہِ حنفی کے مزید حوالہ جات درج ذیل ہیں:

علامہ علاؤالدین حصکفی زکوٰۃ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شَرْعًا: (تَمْلِيْكٌ) خَرَجَ الْإِبَاحَةُ، فَلَوْ أَطْعَمَ يَتِيْمًا نَاوِيًا الزَّكَاةَ لَا يُجْزِيْهِ، إِلَّا إِذَا دَفَعَ إِلَيْهِ الْمَطْعُوْمَ، كَمَا لَوْ كَسَاهُ بِشَرْطِ أَنْ يَعْقِلَ الْقَبْضَ۔

ترجمہ: ''زکوٰۃ کے شرعی معنی ہیں: ''فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینا''۔ تملیک کی قید سے محض مباح کر دینا (یعنی فقرا کو مالِ زکوٰۃ کے استعمال کی عام اجازت دینا) خارج ہو گیا، پس اگر کسی شخص نے نادار یتیم کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلایا، تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مگر جب وہی کھانا یتیم کے حوالے کر دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، جیسے اگر ادائے زکوٰۃ کے لئے یتیم کو کپڑا پہنایا، بشرطیکہ وہ قبضے کی حقیقت کو سمجھتا ہے (تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی)''۔ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُوْنَ الصَّرْفُ (تَمْلِيْكًا) لَا إِبَاحَةً كَمَا مَرَّ (لَا) يُصْرَفُ (إِلَى بِنَاءِ) نَحْوِ (مَسْجِدٍ) لَا إِلَى كَفَنِ مَيِّتٍ وَقَضَاءِ دَيْنِهِ۔

ترجمہ: ''اور زکوٰۃ ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ نادار کو مالک بنا دیا جائے نہ کہ محض استعمال کرنے کی اجازت دی ہو، جیسا کہ (گزشتہ سطور میں) گزرا، (اسی تملیک کی شرط کی وجہ سے) زکوٰۃ کی رقم کسی عمارت پر یا مسجد پر یا میت کو کفن پہنانے پر اور اُس کا قرض ادا کرنے پر صرف نہیں کی جا سکتی (کیوں کہ ان صورتوں میں مالک بنانا متحقق نہیں ہوتا''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد: 3، ص: 161، 263-264)

ملک العلماء علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

فَرُكْنُ الزَّكٰوةِ هُوَ إِخْرَاجُ جُزْءٍ مِّنَ النِّصَابِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى، وَتَسْلِيْمُ ذٰلِكَ إِلَيْهِ يَقْطَعُ الْمَالِكُ يَدَهُ عَنْهُ بِتَمْلِيْكِهٖ مِنَ الْفَقِيْرِ وَتَسْلِيْمِهٖ إِلَيْهِ أَوْ إِلَى يَدِ مَنْ هُوَ نَائِبٌ عَنْهُ وَهُوَ الْمُصَدِّقُ، وَالْمِلْكُ لِلْفَقِيْرِ يَثْبُتُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَصَاحِبُ الْمَالِ نَائِبٌ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي التَّمْلِيْكِ وَالتَّسْلِيْمِ إِلَى الْفَقِيْرِ، وَالدَّلِيْلُ عَلٰى ذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: "أَلَمْ يَعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ"، وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: "الصَّدَقَةُ تَقَعُ فِيْ يَدِ الرَّحْمٰنِ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِيْ كَفِّ الْفَقِيْرِ"، وَقَدْ أَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى، الْمُلَّاكَ بِإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ لِقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ: "وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ"، وَالْإِيْتَاءُ هُوَ التَّمْلِيْكُ، وَلِذَا سَمَّى اللّٰهُ تَعَالٰى الزَّكَاةَ صَدَقَةً بِقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ: "" وَالتَّصَدُّقُ تَمْلِيْكٌ، فَيَصِيْرُ الْمَالِكُ مُخْرِجًا قَدْرَ الزَّكَاةِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِمُقْتَضَى التَّمْلِيْكِ سَابِقًا عَلَيْهِ، وَلِأَنَّ الزَّكَاةَ عِبَادَةٌ عَلٰى أَصْلِنَا وَالْعِبَادَةُ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ بِكُلِّيَّتِهٖ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَذٰلِكَ

فِيمَا قُلْنَا أَنَّ عِنْدَ التَّسْلِيمِ إِلَى الْفَقِيرِ تَنْقَطِعُ نِسْبَةُ قَدْرِ الزَّكَاةِ عَنْهُ بِالْكُلِّيَّةِ وَتَصِيرُ خَالِصَةً لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَيَكُونُ مَعْنَى الْقُرْبَةِ فِي الْإِخْرَاجِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِإِبْطَالِ مِلْكِهِ عَنْهُ لَا فِي التَّمْلِيكِ مِنَ الْفَقِيرِ بَلِ التَّمْلِيكُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْحَقِيقَةِ وَصَاحِبُ الْمَالِ نَائِبٌ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى ---إِلٰى اَنْ قَالَ: وَعَلٰى هٰذَا يَخْرُجُ صَرْفُ الزَّكَاةِ إِلٰى وُجُوهِ الْبِرِّ مِنْ بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ، وَالرِّبَاطَاتِ، وَالسِّقَايَاتِ، وَإِصْلَاحِ الْقَنَاطِرِ، وَتَكْفِينِ الْمَوْتٰى وَدَفْنِهِمْ، أَنَّهُ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ التَّمْلِيكُ أَصْلًا، وَكَذٰلِكَ إِذَا اشْتَرٰى بِالزَّكَاةِ طَعَامًا فَأَطْعَمَ الْفُقَرَاءَ غَدَاءً وَعَشَاءً وَلَمْ يَدْفَعْ عَيْنَ الطَّعَامِ إِلَيْهِمْ لَا يَجُوزُ لِعَدَمِ التَّمْلِيكِ، وَكَذَا لَوْ قَضٰى دَيْنَ مَيِّتٍ فَقِيرٍ بِنِيَّةِ الزَّكَاةِ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدِ التَّمْلِيكُ مِنَ الْفَقِيرِ لِعَدَمِ قَبْضِهِ، وَلَوْ قَضٰى دَيْنَ حَيٍّ فقيران قضى بغير امره لم يجز لانه لم يوجد التمليك من الفقير لعدم قبضه وَإِنْ كَانَ بِأَمْرِهِ يَجُوزُ عَنِ الزَّكَاةِ لِوُجُودِ التَّمْلِيكِ مِنَ الْفَقِيرِ لِأَنَّهُ لَمَّا أَمَرَهُ بِهِ صَارَ وَكِيلًا عَنْهُ فِي الْقَبْضِ فَصَارَ كَأَنَّ الْفَقِيرَ قَبَضَ الصَّدَقَةَ بِنَفْسِهِ وَمَلَّكَهُ مِنَ الْغَرِيمِ، وَلَوْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ بِنِيَّةِ الزَّكَاةِ لَا يَجُوزُ لِانْعِدَامِ التَّمْلِيكِ إِذِ الْإِعْتَاقُ لَيْسَ بِتَمْلِيكٍ بَلْ هُوَ إِسْقَاطُ الْمِلْكِ۔

ترجمہ: ''زکوٰۃ کا ایک رُکن یہ ہے کہ نصاب میں سے ایک جزو کو اللہ کی رضا کے لئے نکالا جائے اور مالِ زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مالک اُس مال سے اپنی ملکیت ختم کردے اور فقیر کو مالک بنا کر اُس کے یا سرکاری طور پر صدقہ وصول کرنے والے کے حوالے کردے، جو فقیر کا نائب ہوتا ہے۔ مالِ زکوٰۃ پر فقیر کی مِلک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہوتی ہے اور زکوٰۃ دینے والا فقیر کو مالک بنا کر مالِ زکوٰۃ اس کے حوالے کرنے میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ترجمہ: ''کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے، (توبہ: 104)''۔ اور نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ: ترجمہ: ''صدقہ فقیر کے ہاتھ تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں پہنچ جاتا ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرما کر فقیر کو مالک بنانے کا حکم فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور زکوٰۃ دو'' اور ''اِیتَاء'' کے معنی ہیں مالک بنا دینا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ: 60 میں زکوٰۃ کو صدقہ بھی قرار دیا ہے۔ اور تصدق کے معنی ہیں: ''مالک بنا دینا''، پس اسی تملیک کے تقاضے کے تحت مال کا مالک زکوٰۃ کی رقم کو اللہ تعالیٰ کی طرف (یعنی اس کی رضا کے لئے) نکالنے والا ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ زکوٰۃ اپنی اصل کے اعتبار

سے عبادتِ (مالی) ہے اور عبادت کے معنی ہیں: ''بندے کا اپنی عمل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر دینا''۔ اور اسی بنا پر ہم نے کہا کہ جب مال دار زکوٰۃ فقیر کے حوالے کرتا ہے، تو اُس مال پر سے اُس کی ملکیت کا تعلق مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ مال خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے۔

اور قُربت (یعنی اللہ تعالیٰ کی رِضا حاصل کرنے لئے عبادت کی نیت سے کوئی کام کرنا) کے معنی ہیں: ''مال دار کا مالِ زکوٰۃ پر سے اپنی ملکیت کو باطل کر کے اللہ کی مِلک میں کر دینا، نہ کہ فقیر کی مِلک میں، پس مالِ زکوٰۃ کی فقیر کو تملیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور صاحبِ مال اُس کا نائب ہوتا ہے۔۔۔۔آگے چل کر لکھتے ہیں: اِس بنیاد پر مساجد کی تعمیر، سرائیں، پانی کی سبیلیں، پلوں کی مرمت مردوں کا کفن و دفن اور ان جیسے مصارفِ خیر پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہاں تملیک بالکل نہیں پائی جاتی۔ اور اسی طرح جب زکوٰۃ کے مال سے کھانا خریدا اور اُسے صبح و شام فقراء کو کھلایا، لیکن وہ طعام اُن کے قبضے میں نہیں دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی کیوں کہ تملیک نہیں پائی گئی۔ اسی طرح اگر کسی فقیر میت کا قرض زکوٰۃ کی نیت سے ادا کیا، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، کیوں کہ فقیر کی تملیک نہیں پائی گئی، کیوں کہ میت مالک بننے کی اہل نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی زندہ فقیر کا قرض اُس کے حکم کے بغیر مالِ زکوٰۃ سے ادا کیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، کیوں کہ فقیر کی جانب سے تملیک نہیں پائی گئی، کیونکہ مال پر اس کا قبضہ نہیں ہوا۔ اور اگر زندہ فقیر کا قرض اُس کی اجازت سے مالِ زکوٰۃ سے ادا کیا، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے، کیونکہ فقیر کی جانب سے تملیک پائی گئی، کیوں کہ جب فقیر نے غنی کو حکم دے دیا، تو غنی مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کرنے اور فقیر کی جانب سے قرض ادا کرنے میں اس کا وکیل ہو گیا تو گویا فقیر نے اپنے وکیل کے توسط سے مال پر قبضہ کیا اور پھر قرض خواہ کو اس کا مالک بنا دیا (بدائع الصنائع، جلد: 02، ص: 58)''۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لئے تملیک ضروری نہیں: بعض علماء نے کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ مکاتب کی اجازت سے زکوٰۃ میں اس کا حصہ اس کے مالک کو دے دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چار مصارف کا ذکر لام تملیک کے ساتھ کیا ہے اور جب رقاب کا ذکر کیا تو لام کے بجائے ''فی'' کا ذکر کیا اور فرمایا وفی الرقاب اور اس فرق کا کوئی فائدہ ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ ان کو دے کر ان کو ان حصص کا مالک بنایا جائے اور باقی مصارف میں

زکوٰۃ میں ان کا حصہ ان کے مصالح اور ان کی بہتری اور ان کے فوائد میں خرچ کیا جائے اور ان کو ان کا مالک نہ بنایا جائے۔

زمخشری نے کہا ہے کہ آخری چار مصارف میں لام کے بجائے ''فی'' کا ذکر کیا ہے اور اس میں یہ بتانا ہے کہ آخری چار مصارف پہلے چار مصارف سے صدقہ اور زکوٰۃ دیئے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ''فی'' ظرفیت کے لئے آتا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ وہ صدقات کا ظرف اور محل ہیں اور ''فی سبیل اللّٰہ وابن السبیل'' میں جو ''فی'' کا تکرار کیا ہے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ان دو مصرفوں کو یعنی فی سبیل اللّٰہ اور ابن السبیل کو پہلے دو مصرفوں پر زیادہ ترجیح ہے اور غلام آزاد کرانے اور مقروض کا قرض ادا کرنے کی بہ نسبت مالِ زکوٰۃ کو اللہ کے راستہ میں اور مسافروں پر خرچ کرنا زیادہ راجح ہے۔''

(اللباب فی علوم الکتاب، جلد:10، ص:126، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ)

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی حنفی متوفّٰی 1069ھ لکھتے ہیں:

''پہلے چار مصارف کے ساتھ لام اور آخری چار مصارف کے ساتھ ''فی'' ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ ادا کر کے ان کو ان حصوں کا مالک بنا دیا جائے اور آخری چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ میں سے ان کے حصہ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کا حصہ ان کی فلاح اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، مکاتب کا مال اس کے مالک کو دیا جائے گا اور مقروض کا مال (اس کے حصہ کی زکوٰۃ) اس کے قرض خواہ کو دیا جائے گا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بالکل واضح ہے، اور مسافر بھی اللہ کے راستے میں داخل ہے، اس کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ اس کی خصوصیت پر تنبیہ ہو۔''

(عنایت القاضی، جلد:4، ص:588، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفّٰی 606ھ پہلے چار مصارف میں لام اور آخری چار مصارف میں ''فی'' کو ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''پہلے چار مصارف میں ان کو زکوٰۃ سے ان کا حصہ دے کر ان کو مالک بنا دیا جائے گا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے ان کا حصہ ان کو نہیں دیا جائے گا اور نہ ان کو اس پر تصرف کی قدرت دی جائے گی کہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں بلکہ ان کی طرف سے ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی، اسی طرح مقروضوں کی زکوٰۃ کا حصہ ان

کے قرض خواہوں کو دے دیا جائے گا، اسی طرح مجاہدین کی زکوٰۃ کا حصہ ان کی ضرورت کا اسلحہ خریدنے میں خرچ کیا جائے گا اور اسی طرح مسافروں کی ضرورت کی چیزوں میں ان کا حصہ خرچ کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کے حصص ان کو دے دیئے جائیں گے کہ وہ جس طرح چاہیں خرچ کریں اور آخری چار مصارف میں ان کو ان کے حصص نہیں دیئے جائیں گے بلکہ جس جہت سے وہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اس جہت میں ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے گا، (تفسیر کبیر، جلد:6،ص:7-86)۔''

مفسرین حنبلیہ میں سے علامہ عمر بن علی الدمشق حنبلی نے اور مفسرین شافعیہ میں سے امام رازی کے علاوہ، علامہ خازن شافعی متوفی 725ھ نے یہی لکھا ہے کہ زکوٰۃ کے پہلے چار مصارف میں تملیک ضروری ہے اور آخری چار مصارف میں تملیک کے بجائے ان کی ضروریات اور مصالح میں زکوٰۃ خرچ کی جائے، (تفسیرِ خازن، جلد:2،ص:253)۔ اور مفسرینِ احناف میں سے علامہ خفاجی کے علاوہ علامہ محی الدین شیخ زادہ حنفی متوفی 951ھ اور ابوالسعود محمد بن عمادی حنفی متوفی 982ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے بھی یہی لکھا ہے، (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ، جلد:4،ص:478، تفسیر ابوالسعود، جلد:3،ص:162 تفسیر روح المعانی، جلد:1،ص:124)۔ غیر مقلدین میں سے نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی 1307ھ نے بھی یہی لکھا ہے، (فتح البیان، جلد:5،ص:332)۔

جن مفسرین نے ژرف نگاہی سے کام لیا اور اس پر غور کیا کہ پہلی چار اصناف کے لئے اللہ تعالیٰ نے لام کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور باقی چار اصناف کے لئے ''فی'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، انہوں نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ پہلی چار قسموں میں سے جس کو زکوٰۃ ادا کی جائے اس کو اس مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے اور دوسری چار قسموں کے شروع میں چونکہ لام تملیک نہیں ہے بلکہ ''فی'' کا ذکر ہے اس لئے ان میں ان کو مالِ زکوٰۃ کا مالک نہیں بنایا جائے گا بلکہ ان کے حصہ کی زکوٰۃ کو ان کی ضروریات اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا۔ حنبلی، شافعی اور حنفی مفسرین کی تصریحات اس مسئلہ میں گزر چکی ہیں اور ان فقہاءِ مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غلام کو زکوٰۃ کا حصہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے حصہ سے غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی، متوفی 668ھ لکھتے ہیں: امام مالک نے فرمایا کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اس کی ولاء مسلمانوں کے لئے ہوگی، (الی قولہ) اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکاتب کو آزاد کرانے میں اس کی معاونت کی

جائے یا نہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ رقبہ (غلام) کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے مکمل غلام آزاد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اور رہا مکاتب تو وہ غارمین (مقروضوں) کے کلمہ میں داخل ہے کیونکہ اس کے اوپر مکاتبت کا قرض ہوتا ہے اس لئے وہ رقاب میں داخل نہیں ہوگا، (الجامع لاحکام القرآن، جز:8،ص:109)۔"

(تبیان القرآن، جلد:05،ص:174 تا176)

ادائیگیِ زکوٰۃ کے حوالے سے دینی مدارس/دارالکفالت کے مہتمم کی حیثیت:

ہماری رائے میں ایسے تمام دینی مدارس و جامعات، یتیموں/معذوروں/محتاجوں کے دارالکفالت، جن میں سب طلبہ یا یتامٰی یا معذورین مستحقِ زکوٰۃ ہوں، اُن کا مہتمم/متولی زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی وصولی کے لئے اُن کا وکیل ہے۔لہٰذا جب ایسے ادارے کے متولی یا مہتمم کو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ دے دیئے جائیں، تو وہ ادا ہو جائیں گے۔اور ادارے کا متولی/مہتمم اُن کے وکیل کی حیثیت اُن کے مصالح میں دیانت و امانت کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اِس رقم کو خرچ کرسکتا ہے۔مَصالح سے مراد اُن کی خوراک، لباس، علاج، کتب اور تعلیم و تدریس کے مصارف ہیں۔ان میں مدرسین و عملے کے مشاہرات، گیس، بجلی، پانی کے بل، عمارت کی نگہداشت اور دیگر سب امور شامل ہیں۔ہم نے اپنے دارالعلوم کے داخلہ فارم میں یہ عبارت درج کی ہوئی ہے:

''میں دارالعلوم نعیمیہ کے مہتمم یا ان کے نمائندہ مُجاز کو اپنی جانب سے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ وصول کرنے اور اُنہیں شرعی مصارف پر صرف کرنے کے لئے اپنا وکیل عام مقرر کرتا ہوں، (نام وولدیت و پتا طالبِ علم مع دستخط)''۔

مستحق طالبِ علم اور اس کا سرپرست اِسے پڑھ کر اور سمجھ کر دستخط کرتے ہیں، جس میں اُن کی طرف سے ادارے کے سربراہ یا اُس کے نمائندہ مجاز کو وصولی وصرفِ زکوٰۃ وصدقات کیلئے وہ اپنا وکیل مقرر کرتے ہیں۔

بعض اداروں کے سربراہان تملیک کے شرعی تقاضے پورے کرنے کے لئے ''حیلۂ شرعیہ'' کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔اِس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے فقہاءِ کرام نے یہ طریقہ تجویز فرمایا ہے اور شریعت میں اس کی اصل بھی موجود ہے، لیکن آج کل عقلیت کا دور ہے اور بہت سے لوگوں کے اذہان بآسانی اسے قبول نہیں کرتے، اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض حضرات نے حیلے کو بہت وسعت دے دی اور مساجد تک میں صدقاتِ واجبہ کی رقوم کو اس طریقے سے استعمال کرنے کی اطلاعات ملی ہیں۔اس لئے میں ایسے طریقے کو ترجیح دیتا ہوں جو ہر ایک

پر واضح ہو۔

ذیل میں ہم امام احمد رضا قادری قدس سرّہ العزیز کا فتویٰ مع سوال و جواب نقل کر رہے ہیں، آپ سے یتیم خانے کے متولی نے چند سوالات کئے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) بعض لوگ میت وغیرہ کے استعمالی کپڑے ایسے بھیج دیتے ہیں جو اَیتام (یتیم کی جمع) کے جسم پر درست نہیں آتے یا ان کے استعمال کے لائق نہیں ہوتے۔ پس نادرست کو بعد قطع برید درست کرا کے اَیتام (یتیم کی جمع) کے استعمال میں لانا اور ناقابلِ استعمال کو فروخت کر کے یتیموں کی پرورش میں صرف کرنا کیسا ہے؟۔

(۲) بعض لوگ کلام مجید جدید وغیرِ مُستعمَل معدّد اور بعض میت کے تلاوت کا یتیم خانے میں عطا کرتے ہیں اور ان سب کی تعداد یتیموں کی تعداد سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ دینے والے بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کر کے قیمت پرورش اَیتام میں صرف کی جائے، مگر بعض بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں، پس قسم آخر کو دراں حالیکہ ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کر کے قیمت کو ایتام کے مصارف میں لا سکتے ہیں اور نیز یہ ہی قسم کسی غیر ایتام کو تلاوت کے واسطے دے سکتے ہیں یا نہیں؟۔

(۳) یتیم خانہ میں بعض لوگ میت کے استعمال کا پلنگ نواڑ وغیرہ کا جو یتیموں کی معمولی چارپائیوں سے بہت زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوتا ہے، بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں، اگر وہ بعض اَیتام (یتیم کی جمع) کے کام میں لایا جاوے تو دوسروں کی دل شکنی ہوتی ہے، لہٰذا اوس کو فروخت کر کے قیمت دیگر مصارفِ ایتام میں دی جائے یا قیمت سے معمولی چارپائیاں یتیموں کے واسطے بنوا دی جاویں، تو کیسا ہے؟۔

(۴) جو چندہ کہ یتیموں کے مصارف کے لئے آتا ہے اوس سے یتیم لڑکوں کی رسم ختنہ اور یتیمات کی رسم نکاح کی جاتی ہے، پس نکاح میں جو براتی دولہا کی طرف سے آتے ہیں، اون کو کھانا کھلانا زرِ مذکورہ سے کیسا ہے؟۔

امام احمد رضا قادری رحمہم اللہ تعالیٰ نے جواب میں لکھا:

مُصحف شریف، کپڑے پلنگ وغیرہ جو کچھ لوگ یتیموں کو بھیجتے ہیں، ظاہر ہے کہ اوس سے مقصود تصدُّق ہوتا ہے اور تصدُّق تملیک ہے۔ وھبۃُ الْمُشاعِ فِیمَا لا یُقسَمُ صَحِیحَۃٌ وَ قَبضُ مَن یَّعُولُھُم یَکفِی عَن قَبضِھِم، کَمَا نَصُّوا عَلَیہِ، و جماعۃُ المُسلِمِین حیثُ لَا وِلایۃَ لَھُم وَ لَا قُضَاۃَ مِنَ الْاِسْلَامِ کَالْقُضَاۃِ فِی النَّظَرِ لِلْاَیتام و امثالُ ذٰلک من المُھام، کماصرّحُوا بِہ فِی غَیرِ مُقامٍ۔

ترجمہ: ''نا قابلِ تقسیم چیز کا بغیر تقسیم کے بھی ہبہ درست ہے، اور مستحقین (یتیموں) کے کفیل کا قبضہ اُن کی طرف سے کافی ہے، جیسا کہ اِس پر فقہاءِ کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ جہاں ولایتِ شرعیہ اور اسلامی حاکم نہ ہوں وہاں یتیموں کی دیکھ بھال کے لئے جماعتِ مسلمین کی حیثیت قاضیوں ہی کی طرح ہے۔ اور جس طرح فقہاءِ کرام نے کئی مقامات پر تصریح فرمائی ہے کہ دیگر اہم امور میں بھی جماعتِ مسلمین کی حیثیت حاکمِ شرعی جیسی ہے''۔

تو جماعتِ مسلمین کو کہ اس کام پر معین ہیں، روا ہے کہ کپڑے قطع برید کر کے مصارف یتامیٰ میں لائیں یا نا قابل استعمال ملبوس اور پلنگ اور حاجت سے زائد مصاحفِ شریفہ ہدیہ (واضح رہے کہ ہمارے عرف میں قرآن مجید کی قیمت کو ادباً ہدیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) وبیع کر کے زرِ ثمن کارِ یتامیٰ میں خرچ کریں، مگر مالِ یتیماں دوسرے کو عاریۃً نہیں دے سکتے، اگرچہ تلاوت کے لئے قرآن مجید (ہی کیوں نہ ہو)، فَاِنَّہٗ تَبَرُّعٌ وَلَا وِلَایَۃَ فِی التَّبَرُّعِ (کیونکہ یہ تبرع (فضل واحسان) ہے اور تبرع میں ولایت نہیں ہے)، زرِ چندہ سے یتیموں کا ختنہ کر سکتے ہیں اور براتیوں کو معمولی کھانا دینا بھی جائز، بشرطیکہ اِسراف نہ ہو، صرف بقدرِ کفایت ہو، وَفِیْ رَدِّالْمُحْتَارِ عَنِ "الْقُنْیَۃِ" لَا یَضْمَنُ مَا اَنْفَقَ فِی الْمُصَاھَرَاتِ بَیْنَ الْیَتِیْمِ وَالْیَتِیْمَۃِ وَغَیْرِھِمَا فِیْ خِلَعِ الْخَاطِبِ اَوِالْخَطِیْئَۃِ فِی الضِّیَافَاتِ الْمُعْتَادَۃِ وَالْھَدَایَا الْمَعْھُوْدَۃِ، وَفِیْ اِتِّخَاذِ ضِیَافَۃٍ لِخَتْنَۃٍ لِلْاَقَارِبِ وَالْجِیْرَانِ مَالَمْ یُسْرِفْ فِیْہِ اھ مُخْتَصَرًا، واللہ اعلم

ترجمہ: ''ردالمحتار میں ''القنیہ'' سے منقول ہے کہ: یتیم لڑکے اور لڑکی وغیرہ کی شادی کے موقع پر دولہا اور دلہن کے جوڑوں، عرف کے مطابق دعوتوں اور تحائف اور قرابت داروں اور پڑوسیوں کی دعوت پر جو خرچ کیا جائے، اس پر تاوان لازم نہیں آتا (یعنی یتیم لڑکے یا لڑکی کا سرپرست اِن مصارف پر اگر اُن کے مال میں سے خرچ کرے)، جب تک کہ اُس میں فضول خرچ نہ کرے، (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:10 ص:367)''۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 25، ص:36-435)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس فتوے سے معلوم ہوا کہ ہر وہ ادارہ جو دار الکفالت ہے، جس میں سب کے سب خواہ یتامیٰ ہوں یا فقراء ومساکین یا مستحق طلبہ ہوں، تو اُس کا متولی زکوٰۃ وصول کرنے میں اُن کا وکیل ہے اور اُسے زکوٰۃ ادا کرنے سے مال دار کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ وکیل کا وصول کرنا مؤکل کا وصول کرنا ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا نے اس میں توسع فرمائی اور مستحقین کی شادی کے لئے اسراف وتبذیر سے بچتے

ہوئے ایسے مصارف کی اجازت دی، جو حدِ اعتدال میں ہوں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اُس ادارے کے نام ہبہ کی ہوئی یا عطیہ کے طور پر دی ہوئی ایسی تمام اشیاء کو، جو مستحقین کے استعمال کی نہ ہوں، فروخت کر کے اُن پر صرف کرنے کی اجازت دی ہے، اِس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے اِس موقف سے استفادہ کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طریقے کو ہر دارالکفالت / دینی مدرسہ و جامعہ کے لئے اختیار کر سکتے ہیں، جہاں کے مستفیدین (Beneficiaries) سب مستحق ہوں، کیوں کہ جب نکاح، شادی اور ختنے مصارف، لباس اور معروف دعوتوں کے جواز کا ذکر ہے، تو اِن کا تعلق بالغ حضرات سے ہے۔

اگر یتیم خانے میں متولی زکوٰۃ کی رقم ان کی فلاح و بہبود (welfare) پر خرچ کر سکتا ہے، جن میں شادی کے ضروری اخراجات بھی شامل ہیں، تو دارالکفالت یا دینی مدرسہ و جامعہ میں عمارت کی تعمیر، مرمت و نگہداشت، صفائی، قیام و طعام (Boarding & Lodging) کے جملہ مصارف، یوٹیلیٹی بلز (بجلی، گیس پانی وغیرہ)، علاج معالجہ کے اخراجات، کتب کی فراہمی، اساتذہ اور طلبہ کی مختلف خدمات پر مامور ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ یہ سب ان کے مَصالح (فلاح و بہبود) میں آتے ہیں۔ البتہ تدریسی کتب اور بستر کمبل وغیرہ ان کی مِلک کر دینے چاہئیں۔ یہ میری رائے ہے، اہلِ فتویٰ علماء اس پر غور فرما کر دلائل کی بنیاد پر اتفاق یا اختلاف کر سکتے ہیں۔

ایسے ادارے جن سے مستحقین کے علاوہ مال دار لوگ بھی استفادہ کرتے ہیں، جیسے شوکت خانم کینسر ہاسپٹل، طبہ ہارٹ ہاسپٹل وغیرہ۔ ان اداروں میں اہلِ ثروت بھی اپنا علاج کرواتے ہیں اور اُس کے مصارف بھی خود برداشت کرتے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ مستحقینکو مفت علاج و دواؤں کی سہولت بھی دستیاب ہوتی ہے۔

ایسے اداروں کے سربراہان کی حیثیت زکوٰۃ دینے والوں کے وکیل کی ہے۔ ایسے اداروں میں زکوٰۃ کی رقم تب ادا ہوگی جب اصل مستحقین کو دے دی جائے گی۔ میں نے اس کا طریقہ یہ تجویز کیا ہے کہ مستحق مریض قرض لے کر یا کسی بھی ذریعے سے اپنی فیس، ایکسرے، الٹراساؤنڈ، مختلف قسم کے لیبارٹری ٹیسٹ، دواؤں، ڈاکٹر کی فیس اور ہسپتال کے واجبات ادا کریں اور زکوٰۃ کے کاؤنٹر پر جا کر یہ رسیدیں جمع کر کے زکوٰۃ کی رقم (کل یا بعض مصارف کے عوض یعنی جتنی اُس ادارے کے فنڈ میں گنجائش ہو) وصول کر لیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی کی تحقیق کے مطابق خیراتی ہسپتالوں میں ڈائلیسز مشین (Dialysis Machine)،

ایکسرے مشین، الٹرا ساؤنڈ مشین، سٹی اسکیننگ مشین اور اسی طرح کے دیگر آلات بھی زکوٰۃ کے مد سے خرید کر دیئے جاسکتے ہیں۔
نوٹ: میں اس پر یہ اضافہ کروں گا کہ ایسے ہسپتال جن میں صرف نادار مریضوں کا علاج ہوتا ہے اور مال دار اُن سے استفادہ نہیں کرتے۔
حال ہی میں ہمارے سامنے علماءِ دیوبند کا موقف بھی آیا، جو حسبِ ذیل ہے:

کیا رفاہی ادارہ عامل کے حکم میں ہو کر زکوٰۃ اکٹھا کرسکتا ہے؟۔

دینی مدارس اور رفاہی ادارے جو عموماً لوگوں سے زکوٰۃ وصدقات کی رقوم جمع کرتے ہیں، شریعتِ مطہرہ کی رو سے ان کی حیثیت متعین کرنے میں دو احتمال ہو سکتے ہیں، اور دونوں ہی اکابر علماء ومشائخ سے منقول ہیں:
پہلی رائے: پہلا احتمال یہ ہے کہ انہیں ''عاملینِ زکوٰۃ'' کے حکم میں مان لیا جائے۔ اس صورت میں یہ ادارے فقرا کی جانب سے اخذِ زکوٰۃ کے وکیل متصور ہوں گے چنانچہ جب ادارہ کے ذمہ داران مزکیین (زکوٰۃ دینے والوں) سے زکوٰۃ وصول کرلیں، تو ان کے وصول کرتے ہی فقرا کی جانب سے وکالۃً ونیابۃً تملیک ہوجائے گی، لہٰذا مزکی (زکوٰۃ دہندہ) ذمہ داری سے فارغ ہوجائے گا اور یہ رقم فقراء میں تقسیم کرنے کے علاوہ اُن کی اجازت سے اُنہی کے مفاد کے دیگر کاموں میں بھی خرچ کرنے کا مجاز ہوگا۔ نیز اس رقم سے ادارہ کے اُن ملازمین کو بقدرِ کفایت وظیفہ دینا بھی ٹھیک ہے جو زکوٰۃ کی وصولی یا اُس کی تقسیم میں براہِ راست سرگرم عمل ہوں، تاہم حنفیہ کے ہاں ''بقدرِ کفایت'' کی شرط لازمی ہے۔ اس لئے کسی ملازم کو حاجت سے زائد وظیفہ دینے کی اجازت نہ ہوگی۔ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ملازم کو جو وظیفہ ملے وہ اُس کی جمع کردہ زکوٰۃ کے نصف سے زائد نہ ہو۔
اکابرین میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مفتی محمد شفیع کی آخری رائے یہی تھی کہ مدارس کی انتظامیہ عاملین کے حکم میں داخل ہے چنانچہ امداد الفتاویٰ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی رائے حضرت تھانوی کے نام اُن کے ایک مکتوب گرامی سے واضح ہوتی ہے، آپ لکھتے ہیں:
''اہلِ مدرسہ مثل عُمّال بیت المال معطیین (زکوٰۃ دینے والے) اور آخذین (زکوٰۃ لینے والے) کی طرف سے وکلاء ہیں''۔

حضرت تھانوی نے اس پر شبہ کرتے ہوئے جواباً تحریر فرمایا کہ:

عُمّالِ بیت المال "مَنْصُوب مِنَ السُّلْطَان (حاکم کے مقرر کردہ)" ہیں اور سلطان کو ولایتِ عامہ ہے، اس لئے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے۔ اور مَقِیس (یعنی جسے سلطان پر قیاس کیا جارہا ہے یعنی رفاہی تنظیمیں) میں ولایتِ عامہ نہیں ہے، اس لئے آخذین زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ لینے والوں کا وکیل کیسے بنے گا؟، کیونکہ توکیلِ صریح ہے نہ اُس پر دلالت ہے۔ اور مَقِیس عَلَیْہ (جس پر قیاس کیا جارہا ہے یعنی سلطان) دلیل ہے کہ وہ سب اس کے زیر اطاعت ہیں اور واجب الاطاعت ہے۔

حضرت سہارنپوری نے اس شبہ کا جواب اِن الفاظ سے دیا: بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں: ایک حکومت جس کا ثمرہ تنفیذ حدود وقصاص ہے اور دوسرا انتظامِ حقوقِ عامہ۔ امرِ اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ امرِ ثانی میں اہلِ حَل وعَقد بہ وقتِ ضرورت قائم مقام ہوسکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اہلِ حل وعقد کی رائے ومشورہ کے ساتھ نصبِ سلطان وابستہ ہے، جو بابِ انتظام سے ہے۔ لہٰذا مالی انتظامِ مدارس جو برضاءِ ملاک وطلبہ ابقاءِ دین کے لئے کیا گیا ہے، بِالا ولیٰ معتبر ہوگا، (امداد الفتاویٰ:۲۶۷/۶)۔

حضرت گنگوہی کے حوالہ سے آپ کے سوانح "تذکرۃ الرشید" میں منقول ہے کہ آپ لکھتے ہیں:

مہتمم مدرسہ کا قیم ونائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے، جیسا کہ امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے، پس جو شئی کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبض ہے۔ اس کے قبض سے مِلکِ مُعطی سے نکلا اور مِلکِ طلبہ ہوگیا۔ اگر چہ وہ مجہول الملکیۃ والذوات ہوں، مگر نائب معین ہے۔ پس بعد موتِ مُعطی کے ملکِ وِرثہ مُعطی کی اس میں نہیں ہوسکتی، (تذکرۃ الرشید:۱/۱۶۴)۔

حضرت مفتی محمد شفیع نے اگر چہ معارف القرآن میں مہتممینِ مدارس کو عاملین سمجھنے کی نفی کی ہے، لیکن بعد ازاں حضرت سہارنپوری کے مذکورہ مکتوب میں غور وفکر کے بعد آپ نے اِسی رائے کو راجح سمجھ کر مہتمم کو عامل قرار دیا ہے اور اپنی پرانی رائے سے رجوع کی صراحت کی ہے۔

امداد المفتیین، ص:۱۰۸۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

میں امداد المفتیین میں اس مسئلہ سے متعلق شائع شدہ عبارت سے رجوع کر کے اس فیصلہ کو تسلیم کرتا ہوں، جو فیصلہ ان سب اکابر کا ہے، یعنی موجودہ زمانہ کے مہتممانِ مدارس یا ان کے مامور کردہ حضرات جو چندہ یا زکوٰۃ

وصول کرتے ہیں وہ بہ حیثیت وکیل فقرا کے وصول ہوتی ہے اور ان کے قبضہ میں پہنچتے ہی معطیین کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے،(امداد المفتیین :۱۰۸۵)۔

حضرت مفتی محمد شفیع اپنی درجہ بالا تحریر کے آخر میں لکھتے ہیں:

ضروری تنبیہ: اس تحقیق میں مہتممانِ مدارس کے لئے ایک تو آسانی ہوگئی کہ ان کو ہر ایک شخص کا مال زکوٰۃ اور اس کا حساب الگ الگ رکھنے کی ضرورت نہیں رہی اور قبل از خرچ مُعطی چندہ کا انتقال ہوجائے تو اس کے وارثوں کو واپس کرنا ضروری نہیں۔۔۔لیکن مہتممان مدرسہ کی گردن پر آخرت کا ایک بڑا بوجھ آپڑا کہ وہ ہزاروں فقرا کے وکیل ہیں جن کے نام اور پتے محفوظ اور یاد رکھنا بھی آسان نہیں کہ خدانخواستہ اگر اس مال کے خرچ کرنے میں کوئی غلطی ہوجائے تو ان سے معافی مانگی جاسکے اس لئے اگر مہتممانِ مدرسہ نے فقرا کی ضروریات کے علاوہ کسی کام میں اس مال کو خرچ کیا تو وہ ایسا ناقابلِ معافی جرم ہوگا جس کی تلافی ان کے قبضہ میں نہیں۔ اس لئے ان سب حضرات پر لازم ہے کہ مدارس کے چندہ کی رقم کو بڑی احتیاط کے ساتھ صرف ان ضروریات پر خرچ کیا جائے جن کا تعلق فقرا وطلبا سے ہے مثلاً ان کا طعام ولباس، دواوعلاج، ان کی رہائشی ضرورتیں، ان کے لئے کتابوں کی خریداری وغیرہ، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،(امداد المفتیین :۱۰۸۶)۔

یہاں یہ بھی یادر ہے کہ مہتممِ مدرسہ یا منتظمِ رفاہی ادارہ کو عامل متصور کرنے سے اتنا فائدہ تو ہوجائے گا کہ ان کے وصول کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھر مہتمم و منتظم جیسے چاہیں اُسے خرچ کریں۔ بلکہ ان پر فرض ہے کہ جیسے حاکم مالِ زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد اُسے مصارفِ زکوٰۃ میں تقسیم کرنے کا پابند ہے، اُس سے پُل، سڑک، ہسپتال وغیرہ تعمیر نہیں کرسکتا ایسے ہی منتظمین ادارہ بھی اسے فقرا پر خرچ کریں گے، کسی اور مد میں استعمال نہیں کرسکتے۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں:

وَعلى هذا يَخرُجُ صَرفُ الزَّكاةِ الىٰ وُجُوهِ البِرِّ مِن بِناءِ المَسَاجِدِ و الرِّباطَاتِ و السِّقَايَاتِ و اصلاحِ القَناطِرِ وَتكفِينِ المَوتىٰ وَدفنِهِم انَّهُ لَا يَجُوزُ، لِانَّهُ لَم يُوجَدِ التَّمليكُ اصلاً۔

ترجمہ:''اور اسی (تملیک کی شرط کی) پر تعمیر مساجد اور مسافر خانوں کی تعمیر، پانی کی سبیلوں، پلوں کی مرمت اور مردوں کے کفن دفن پر زکوٰۃ کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہاں تملیک بالکل نہیں پائی گئی، (بدائع الصنائع)''۔

دوسری رائے: دوسری رائے یہ ہے کہ دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے ذمہ داران زکوٰۃ دہندگان کی جانب سے وکیل ہیں۔ فقرا کی جانب سے وکیل سمجھ کر عاملین کے زُمرہ میں شمار کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ حسبِ تصریح فقہاء عامل کی تعریف میں یہ بنیادی قید شامل ہے

کہ: ''عامل وہ ہے جسے امام المسلمین نے اخذِ زکوٰۃ کے لئے مقرر کیا''۔

ملاحظہ کتبِ فقہ وتفسیر کی عبارات:

"وَاَمَّا الْعَامِلُوْنَ عَلَيْهَا فَهُمُ الَّذِيْنَ نَصَبَهُمُ الْاِمَامُ لِجِبَايَةِ الصَّدَقَاتِ"

ترجمہ: ''عامل وہ لوگ ہیں جنہیں حاکم صدقات کی وصول کے لئے مقرر کرے''۔ (بدائع الصنائع: ۲/۴۶۷)

صاحب بنایہ فرماتے ہیں:

"وَالْعَامِلُ هُوَالَّذِیْ يَبْعَثُهُ الْاِمَامُ بِجِبَايَةِ الصَّدَقَاتِ"

ترجمہ: ''عامل وہ ہے جسے حاکم نے صدقات کی وصول پر مقرر کیا ہو، (البنایۃ: ۳/۵۲۹)''۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"اَلْعَامِلُ عَلَى الزَّكٰوةِ وَهُوَ مَنْ نَصَبَهُ الْاِمَامُ لِجَمْعِ الصَّدَقَاتِ"۔

ترجمہ: ''عامل وہ ہے جسے حاکم نے صدقاتِ (واجبہ) کی وصولی پر مامور کیا ہو''۔ (ردالمحتار: ۲/۵۶)

ابوبکر الجصاص ''والعاملین علیہا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَيدُلُّ اَيضًا عَلَى اَنَّ اَخذَ الزَّكٰوةِ اِلَى الْاِمَامِ"

ترجمہ: ''یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ زکوٰۃ حاکم کی طرف سے وصول کی جاتی ہے''۔ (احکام القرآن للجصاص: ۳/۱۲۳)

امام رازی فرماتے ہیں:

"وَالْعَامِلُ هُوَ الَّذِیْ نَصَبَهُ الْاِمَامُ لِاَخْذِ الزَّكٰوةِ"

ترجمہ: ''عامل وہ ہے جسے حاکم نے زکوٰۃ کی وصولی پر مامور کیا ہو، (تفسیر کبیر: ۱۶/۱۱۴)''۔

معلوم ہوا کہ فقہا و مفسرین عامل کی تعریف میں ''امام المسلمین'' کی طرف سے تقرری کی قید ضرور لگاتے ہیں اور ہمارے علم کے مطابق کسی فقیہ نے اِس قید سے صرفِ نظر نہیں کیا۔ بظاہر اِس قید کی حکمت اور وجہ یہ ہے کہ عامل ملک کے تمام فقرا کی جانب سے وکیل ہوتا ہے جن کی تعداد اور حالات کی عامل کو کوئی خبر نہیں ہوتی۔ ایسے نامعلوم افراد کی جانب سے وکیل بننا صرف اُسی وقت درست ہوسکتا ہے جب والی یا حاکم اُسے وکالت کی ذمہ داری سونپے، کیونکہ اسے ولایتِ عامہ حاصل ہے۔ والی و حاکم پورے ملک کے فقرا کا نگہبان اور نگران ہوتا ہے۔ ان کی نمائندگی کا حق ادا کرتا ہے اِسے لئے اِس ولایتِ عامہ کی بنیاد پر کسی کو بھی عامل بنانا اس کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ جب کہ رفاہی اداروں اور دینی مدارس میں یہ ولایتِ عامہ نہیں پائی جاتی، اِس لئے یہ اپنی جانب سے خود بخود عامل بن کر غیر معین فقرا کے وکیل نہیں بن سکتے۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ قَبْضُ الْاَجْنَبِيِّ لِلْفَقِيرِ الْبَالِغِ اِلَّا بِتَوْكِيلِهِ لِاَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَيْهِ ، فَلَا بُدَّ مِنْ اَمْرِهِ كَمَا فِي قَبْضِ الْهِبَةِ۔

ترجمہ: ''بالغ فقیر کی طرف سے وکیل بنائے بغیر کسی اجنبی شخص کا اُس کی طرف سے زکوٰۃ کا مال وصول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اسے اس پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔ پس بالغ فقیر کا دوسرے شخص کو وصولی کا حکم دینا یعنی وکیل ضروری ہے جیسا کہ ہبہ کے قبضہ میں ہوتا ہے، (بدائع الصنائع: ۲/۴۶۷)''۔

مذکورۃ الصدر دوسری رائے کے مطابق جب یہ ادارے مُزکّی (زکوٰۃ دینے والے) کی جانب سے وکیل ہوں تو مسئلہ بالکل بے غبار رہتا ہے، کیونکہ مزکین معلوم و معین ہوتے جو ان اداروں پر اعتماد کر کے انہیں اپنی زکوٰۃ کی رقم مصارف تک پہنچانے کا وکیل بناتے ہیں اور فقہ اسلامی کی رو سے اس توکیل میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے کہ بدائع کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی معلوم ہوا۔

ابھی جب اس صورت کے مطابق یہ ادارے معطیین کی جانب سے وکیل متصور کر لئے جائیں، تو ان کے رقم وصول کرنے سے زکوٰۃ اُس وقت تک ادا نہ ہوگی، جب تک وہ مصارفِ زکوٰۃ کو سپرد نہ کریں۔ جیسے خود مالک کو ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک مال ضروری ہے ایسے ہی اِن اداروں کو بھی بحیثیت وکیل تملیک سے خلاصی نہیں۔ لہٰذا ضروری ہوگا کہ کسی مستحقِ زکوٰۃ کو رقم کا مالک بنا دیا جائے۔ نیز جیسے مالکِ مال زکوٰۃ کو کسی تعمیراتی مد یا دیگر رفاہی مدات (جن میں تملیک نہ ہو) میں استعمال نہیں کرسکتا۔ یونہی اُن کا نمائندہ ادارہ بھی تملیک کئے بغیر مالِ

زکوۃ سے تعمیرات وغیرہ نہیں کرسکتا۔

اکابرین میں سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (امداد الفتاویٰ: ۵۶/۲) اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (فتاوٰی دیوبند: ۵۸/۶) اور حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی (احسن الفتاویٰ: ۲۹۵/۴) کی یہی رائے رہی۔ اِس سلسلے میں اگر چہ حضرت تھانوی کے ساتھ حضرت سہارنپوری کی مکاتبت ہوئی جس میں حضرت سہارنپوی نے آپ کے اشکالات رفع کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ مکاتبت ۱۳۲۵ھ کی ہے اور امداد الفتاویٰ ۱۳۳۲ھ کے ایک فتویٰ میں بھی مہتممینِ مدارس کو عامل سمجھنے کی نفی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی مکاتبت کے بعد بھی اپنی رائے پر قائم رہے۔

جامعہ عثمانیہ پشاور کی رائے:

دلائل کی قوت، کتبِ فقہ کی عبارات سے ہم آہنگی اور احتیاط پر مبنی ہونے کی وجہ سے ہم بھی اِسی دوسرے قول کو راجح سمجھتے ہیں اور اپنے ہاں جامعہ عثمانیہ پشاور میں بھی شروع ہی سے یہی نظام رکھا ہے کہ معطین کی جانب سے وکیل بن کر اُن کی زکوۃ وصول کرنے کے بعد مستحق طلبہ کو زکوۃ کی مد میں رقم دے دی جاتی ہے۔ وہ تملیک کے بعد اپنی اخراجات کی مد میں رقم مدرسہ میں جمع کر لیتے ہیں۔

اِس رائے کے متعلق ایک شبہ:

معطین کی جانب سے توکیل میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ مؤکل کی زکوۃ فقرا میں تقسیم ہونے سے پہلے ہی معطی مرجائے۔ اِس سے اُس کی وکالت بھی ختم ہو جائے گی لہٰذا پھر اُس کا مال ورثا کا حق ٹھہرے گا، چنانچہ اُن کو واپس کرنا ضروری ہوگا۔۔۔جیسا کہ "حج عن الغیر" کی صورت میں مامور (جس کو حج پر بھیجا ہے) کی حج سے واپسی سے قبل اگر آمر (حج پر بھیجنے والا) فوت ہو جائے، تو مامور کی ذمہ داری ہے کہ جو رقم ابھی تک اس نے خرچ نہیں کی، وہ آمر کے ورثا کو واپس کردے۔ اگر وہ خرچ کرے گا تو ورثا کو اُس سے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ محقق ابن نجیم فرماتے ہیں:

وفی المحیط: ولو دفع الی رجلٍ مالا لیحج به عنهُ، فاهلّ بحجه ثم مات الآمرُ فللورثة ان یاخذوا ما بقی من المال معهُ ویضمنونه ما انفق منهُ بعد موته، ولا یشبهُ الورثةُ الآمر فی هذا، لانّ نفقة الحج کنفقة ذوی الارحام، فتبطل بالموت ویرجع المال الی الورثة۔

ترجمہ: ''اور محیط میں ہے: اگر کسی نے ایک شخص کو مال دیا کہ وہ اس کی طرف سے حج ادا کرے، تو اُس مامور نے اس کی طرف سے حج کی ادائیگی شروع کی، (دورانِ حج) امر کی موت واقع ہوگئی تو اُس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مامور کے پاس جو مال بچ گیا ہے وہ اس سے لے لیں اور امر کی موت کے بعد اُس نے جو اخراجات کئے، ورثاء اُس مامور سے اُن کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اور ورثاء اس میں امر کے مشابہ نہیں ہوں گے، کیوں کہ حج کے مصارف ذوی الارحام کے نان نفقے کی طرح ہیں، جو مُورِث کی وفات کے ساتھ ہی باطل ہوجاتے ہیں اور مال کی ملکیت ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، (البحر الرائق: ۱۲۱/۳)''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کوئی وارث ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اُس کے مورث کے ذمے زکوٰۃ یا دیگر فرائض وواجبات باقی رہیں اور آخرت میں وہ اپنے اعمال کی شکل میں یہ قرضہ چکائے یا اُسے سزا بھگتنا پڑے، اس لئے ورثا کی جانب سے بھی اُن کے مورِث کا مال مصرف میں خرچ کر کے اُس کا ذمہ فارغ ہونے کی عرفاً ودلالۃً اجازت ہوتی ہے۔ اگر ورثاء بالغ ہوں تو اُن کا سکوت اجازت متصور ہوگا۔ اور اگر نابالغ ہوں تو بعد البلوغ سکوت اجازت شمار ہوگا۔ اسی عرفی اجازت کی بنیاد پر مؤکل کے مرنے کی صورت میں بھی یہ رقم ورثا کو لوٹانا لازم نہ ہوگا۔ تاہم اگر کوئی لااُبالی وارِث نااہلی کا ثبوت دے کر ادارہ سے مطالبہ کرے کہ میرے مورِث نے آپ کو زکوٰۃ کے مد میں جو رقم دی تھی، اگر آپ نے اُسے مصرف پر خرچ نہ کیا ہو تو ہمیں واپس کر دیں، تو ایسی صورت میں چونکہ تصریح دلالت سے اقویٰ واَولیٰ ہے، اس لئے پھر ادارہ اس بات کا پابند رہے گا کہ وہ مال اُنہیں واپس کردے''۔

(ماہنامہ العصر، جامعہ عثمانیہ پشاور، شمارہ: ۵، جلد 17)۔

نوٹ: ہم نے قارئین کی سہولت کے لئے مذکورہ بالا حوالے میں عربی عبارات پر اعراب لگائے ہیں اور ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ اور بعض جگہ عبارت کی نوک پلک درست کی ہے، ایک جگہ ترتیب میں تھوڑا سا ردو بدل کیا ہے۔

مندرجہ بالا فتوے میں عاملِ زکوٰۃ کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ ہماری رائے میں عاملِ زکوٰۃ امام یا امیر یا حاکم کا مقررہ نمائندہ ہوتا ہے اور وہ صرف زکوٰۃ وعُشر وصول کر کے بیت المال میں جمع کراتا ہے، زکوٰۃ وعُشر کے مال کو خرچ کرنے میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، وہ صرف نمائندۂ مُجاز (Authorized

Agent)اور افسر بکارِ خاص (Officer On Special Duty)ہوتا ہے۔اسلامی حکومت میں اصل حیثیت امیر یا امام یا خلیفہ یا حاکمِ اعلیٰ کی ہے۔اور حاکمِ اعلیٰ اپنی ریاست میں تمام مستحقین کا متولی اور وکیل ہوتا ہے، لہٰذا اس کو براہِ راست یا اس کے نمائندے (عامل) کو مال دار جب زکوٰۃ دے گا، تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔اب اسے مستحقین پر صرف کرنا اُس حاکمِ اعلیٰ کی ذمے داری ہے۔

دارالکفالت، یتیم خانے یا دینی مدارس کے سربراہان منصبی حیثیت میں دراصل فقراء و مساکین کے متولی یا وکیل ہوتے ہیں۔اور ان کو زکوٰۃ دینے سے مال دار کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔اور ان مستحقین کی مصالح اور بہبود پر صدقاتِ واجبہ کے مال کو خرچ کرنا اُس ادارے کے سربراہ کی شرعی، قانونی اور اخلاقی ذمے داری ہے اور وہ اس کے لئے جوابدہ ہے۔

ایسے ادارے جن سے امراء بھی استفادہ کرتے ہیں اور مستحقین بھی۔اور مستحقین متعین بھی نہیں ہوتے، ان میں ادارے کا سربراہ زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل ہوتا ہے اور زکوٰۃ جب تک شرعی شرائط کے مطابق مستحقین کو نہیں دی جائے گی، اُس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔اس پر ہم گزشتہ سطور میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

پاکستان آئینی اعتبار سے ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے، اور اس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنے گا۔لیکن خود آئین میں اسلامی اعتبار سے کافی سقم ہیں اور اس دستوری میثاق پر پوری طرح سے عمل بھی نہیں ہو رہا۔اگرچہ نظامِ خلافت کے قیام تک جمہوریت کا کوئی متبادل نہیں ہے، لیکن جدید جمہوریت اپنی ساخت، جبلّت اور مزاج کے اعتبار سے سیکولر ہے۔اور ہماری جمہوریت ساری دنیا سے منفرد ہے۔غیر مسلم دنیا کی مسلّمہ بڑی بڑی جمہوریتوں میں مسلم اقلیتوں کے لئے کوئی مخصوص نشستیں نہیں ہیں، لیکن پاکستان میں تمام ایوانوں میں غیر مسلموں کے لئے نشستیں مخصوص ہیں اور بعض اوقات کسی بھی آئینی ترمیم یا قانون سازی کے لئے اُن کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔حکومت نے جو نظامِ زکوٰۃ قائم کیا، وہ ناکام رہا، کیونکہ حکومت صَرف زکوٰۃ کے حوالے سے مسلمانوں کو مطمئن نہ کر سکی اور صرف وہ زکوٰۃ حکومت کو مل سکی جو بینکوں سے جبراً کاٹی جاتی ہے اور بیشتر لوگ اس سے بھی چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔

اس لئے غیر سرکاری تنظیمیں اور ادارے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ وصول کرتے ہیں، حکومت کی طرف سے اس کی ممانعت بھی نہیں ہے اور کسی حد تک لوگ ان اداروں پر اعتماد بھی کرتے ہیں۔اور ان اداروں کے دستور

(Bylaws)میں یہ لکھا بھی ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ وصدقات اور عطیات جمع کر کے ضرورت مندوں کی مدد کریں گے۔اور یہ دستور حکومت کے ہاں رجسٹرڈ ہوتا ہے۔لہٰذا یہ ایک طرح سے حکومت کی طرف سے قانونی اجازت بھی ہے۔

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (پیما) کے طبی فقہی بورڈ کے انچارج ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب کافی دینی معلومات رکھتے ہیں اور شاید وہ باقاعدہ دینی علوم پڑھے ہوئے ہیں،اس لئے انہوں نے اپنے موقف کو تقویت دینے کے لئے حوالہ جات اور اشارات دیئے ہیں۔میری تحقیق کے مطابق اس طرح کے ادارے زکوٰۃ دینے والوں کے وکیل ہیں اور ان کے بارے میں مندرجہ بالا سطور میں تفصیلی حکم بیان کیا جا چکا ہے۔

وَفِی الرِّقَابِ ، وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا کی تشریح متعلقہ مقامات پر کی جا چکی ہے۔ان کو میرا مشورہ یہ ہے کہ اپنے انتظامی امور کے لئے نفلی عطیات کے امکانات تلاش کریں اور صدقاتِ واجبہ کے صَرف کے حوالے سے شرعی حدود کی پاسداری کریں۔

جن اداروں کے سربراہ مستحقین کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں،وہ ایک مناسب مقدار تک اپنے عاملین کو دے سکتے ہیں،جیسے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب نے ساڑھے بارہ فیصد کا ذکر کیا ہے،لیکن جن اداروں کے سربراہان صرف زکوٰۃ دینے والوں کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں،وہ اپنے عامل کو مالِ زکوٰۃ میں سے نہیں دے سکتے۔

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب کا یہ سوال کہ اسلامی حکومت زکوٰۃ وصدقات جمع کر کے مستحقین کی فلاح پر خرچ کر سکتی ہے تو رفاہی اداروں کو وہ حیثیت کیوں حاصل نہیں؟۔اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں امیر یا امام یا خلیفۃ المسلمین یا حاکمِ اعلیٰ کو عوام پر ولایتِ عامہ حاصل ہے،جب کہ رفاہی اداروں کو ایسی ولایتِ عامہ حاصل نہیں ہے۔

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن اور اس جیسے رفاہی اداروں کی خدمات بلاشبہ قابلِ قدر ہیں،وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہوں گے۔لیکن زکوٰۃ وصدقات کے حوالے سے شرعی تحدیدات کی پابندی ان پر بھی لازم ہے۔

میرے نزدیک محتاط طریقہ یہ ہے کہ پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے تحت جو ہسپتال قائم ہیں یا ایمبولینس سروس ہے یا لیبارٹری ہے یا ریڈیالوجی کا نظام ہے،تو زکوٰۃ وصدقات کے مستحق مریضوں سے وہ اصل

لاگت کے برابر یا انتظامی مصارف نکالنے کے لئے کچھ منافع کے ساتھ اُجرتیں (Charges) مقرر کر سکتے ہیں، جس میں ڈاکٹرز صاحبان کی فیس بھی شامل کی جاسکتی ہے، مستحق مریض اپنے واجبات ادا کر کے زکوٰۃ کے شعبے میں رسید دکھائیں اور گنجائش کے مطابق وہ ادارہ ان واجبات کا کل یا بعض حصہ زکوٰۃ کی مد میں ان کو واپس کر دے۔ اور جو لوگ زکوٰۃ وصدقات نہ لینا چاہیں یا اس کے مستحق نہ ہوں تو ان سے واجبات وصول کر لئے جائیں۔ فری میڈیکل کیمپس کے لئے اس طرح کی کوئی حکمتِ عملی وضع کی جاسکتی ہے۔

سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

(۱) أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَجَعَلَهَا فِيْ فِيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: كَخٍ، كَخٍ، لِيَطْرَحَهَا، ثُمَّ قَالَ: أَمَا شَعَرْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ۔

ترجمہ: ''حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے لی اور اس کو اپنے منہ میں رکھ لیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: چھی، چھی، تاکہ وہ اس کھجور کو پھینک دیں، پھر فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہم صدقہ کو نہیں کھاتے!، (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1491)''۔

حدیث پاک میں ہے: (۲) عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ،

ترجمہ: ''عبد المطلب بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ صدقات لوگوں (کے مال) کا میل ہے اور یہ محمد اور آلِ محمد ﷺ کے لئے جائز نہیں ہے''۔ (صحیح مسلم: 2371)

(۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ، اِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ، سَأَلَ عَنْهُ، فَاِنْ قِيْلَ: هَدِيَّةٌ أَكَلَ مِنْهَا، وَاِنْ قِيْلَ: صَدَقَةٌ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا۔

ترجمہ: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی کھانا لایا جاتا، تو آپ اس کے بارے میں پوچھتے (یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟)، اگر آپ کو بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے، تو آپ اس میں سے تناول فرماتے اور اگر یہ بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ اس میں سے کچھ بھی نہ کھاتے، (صحیح مسلم: 2380)''۔

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی لکھتے ہیں:
ترجمہ: ''جس کو زکوٰۃ دی جارہی ہے وہ بنو ہاشم میں سے نہ ہو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے قومِ بنی ہاشم! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لوگوں (کے مال کا) دھوون پسند نہیں فرمایا اور اس کے عوض تمہیں مالِ غنیمت کے خُمس کا پانچواں حصہ دیا ہے'' اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہے'' اور ایک روایت میں ہے آپ نے راستے میں ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا: ''اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی ہوسکتی ہے، تو میں اسے کھالیتا، پھر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے بنو ہاشم پر لوگوں کے ہاتھوں کا دھوون حرام قرار دیا ہے''، اس کی بھی وہی مراد ہے جسے اوپر والی حدیث میں ''غسالة الناس'' کہا گیا ہے، کیوں کہ اس میں ناپاکی ہوسکتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے عزت واکرام دینے کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لئے بنو ہاشم کو اس سے محفوظ رکھا''۔

(بدائع الصنائع، جلد:02، ص:74)

سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے:
وَلَا اِلٰی بَنِیْ هَاشِمٍ اِلَّا مَنْ اَبْطَلَ النَّصُّ قَرَابَتَهٗ وَهُمْ بَنُوْ لَهَبٍ ، فَتَحِلُّ لِمَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ كَمَا تَحِلُّ لِبَنِی الْمُطَّلِبِ، ثُمَّ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ اِطْلَاقُ الْمَنْعِ، وَقَوْلُ الْعَيْنِيِّ: وَالْهَاشِمِیُّ يَجُوْزُ لَهٗ دَفْعُ زَكٰوتِهٖ لِمِثْلِهٖ ، صَوَابُهٗ لَايَجُوْزُ ''نَهْر'' ۔
ترجمہ: ''اور بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہیں ہوگی، سوائے اُن کے جن کی قرابت کو نصِ قرآنی نے باطل کردیا اور وہ بنو لہب ہیں۔ لہٰذا ان میں سے جو کوئی ایمان لے آیا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ بنو مطلب کو دینا جائز ہے۔ پھر ظاہرِ مذہبِ (حنفیہ) یہ ہے کہ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کی ممانعت مطلقاً ہے۔ اور عینی نے کہا: ''ہاشمی اپنی زکوٰۃ دوسرے ہاشمی کو دے سکتا ہے''، (مگر) صحیح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے (بحوالہ النھر الفائق)۔
اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: عبد مناف نبی کریم ﷺ کے اجداد میں چوتھے نمبر پر ہیں، ان کے اَخلاف چار ہیں۔ ہاشم، مطلب، نوفل اور عبد شمس۔ پھر ہاشم کے اَخلاف چار ہیں، عبد المطلب کے سوا سب کی نسل منقطع ہوگئی، ان کے اخلاف بارہ ہیں، ان میں سے جو فقیر اور مسلم ہو ان سب کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، سوائے حضرت عباس، حضرت حارث، اولادِ خواجہ ابو طالب (یعنی حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت عقیل)

رضی اللہ عنہم کی اولاد کے۔اس سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم کو مطلق رکھنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ تمام بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ بعض کو (استحقاق کی بنیاد پر) دی جاسکتی ہے۔اسی لئے ''السعدیہ'' کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''آلِ ابولہب بنو ہاشم کی طرف منسوب ہیں اور انہیں صدقہ دیا جاسکتا ہے''۔ النھر الفائق میں ''النافع'' کے حوالے سے بنو ہاشم کے ذکر کے بعد کہا: مگر جس کی قرابت کو نص نے باطل کر دیا ہو، اس پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے کہ میرے اور ابولہب کے درمیان قرابت نہیں، کیونکہ اس نے ہم پر دو بڑے فاجروں کو ترجیح دی (محشی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ہمیں کہیں نہیں ملی)، یہ اس مسئلے میں صراحت ہے کہ بنولہب کی نسبت بنو ہاشم سے منقطع ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ علامہ علاؤالدین حصکفی نے بنو ہاشم کے ذکر پر کفایت کی اور کہا کہ اولادِ ابولہب سے جو اسلام لے آئے، وہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے کی ممانعت میں داخل نہیں ہیں، اس لئے کہ اسے حضور سے قرابت ہی نہیں ہے۔اور یہ انہوں نے نہایت عمدہ وضاحت کی، کیوں کہ کسی اور نے اس طرح وضاحت نہیں کی، پس غور کا مقام ہے۔بنولہب کو بعض نسخوں میں بنوابی لہب کہا گیا ہے اور یہی صحیح ہے، (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:3،ص:270)''۔

پس سید اور ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔نسب چونکہ باپ کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے اگر ماں سیدہ اور باپ غیر سید تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں: ''اور اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ جس کی ماں مثلاً علوی ہو اور اس کا باپ عجمی تو دوسرا عجمی اس کا کفو بن سکتا ہے، اگر چہ ماں کی نسبت سے اس کے لئے ایک وجہِ شرف ہے، مگر نسب باپ دادا سے چلتا ہے اور اسی لئے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور ماں کے شرف کی وجہ سے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔اور میں نے کسی اور جگہ یہ صراحت نہیں دیکھی (یعنی علامہ شامی اسے اپنا تفرد قرار دیتے ہیں)، (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:4،ص:151)''۔

مدارس تعلیم القرآن:

بعض جگہ مقامی طور پر مساجد میں یا بعض دینی، تبلیغی اور رفاہی تنظیموں کے تحت مکاتبِ تعلیم القرآن کا ایک نیٹ ورک قائم کیا گیا ہے، ان مدارس و مکاتب میں ان مقامی لوگوں کے بچے حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں جو زکوٰۃ یا فطرہ ان اداروں کو دیتے ہیں۔ان مدارس و مکاتب کے معلمین کے مشاہرے ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ، فطرہ، فدیۂ صوم، نذر اور کفارات کی رقوم جمع کی جاتی ہیں۔ایسے مصرف کے لئے زکوٰۃ لینا اور دینا شریعت کی حکمت اور ترجیحات کے

خلاف ہے، کیونکہ یہ خود اپنی زکوٰۃ سے استفادے کی بالواسطہ ایک صورت ہے، سوائے اِس کے کہ کہیں بہت ہی ناگزیر حالات ہوں۔ البتہ وہ دینی مدارس و جامعات جن میں مستحق اقامتی طلبا دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، وہ زکوٰۃ، فطرہ وصدقات واجبہ کا بہترین مصرف ہیں۔

کمیونٹیز اور برادریوں کے رفاہی فنڈ:

بعض کمیونٹیوں، برادریوں، مخصوص خاندانی یا علاقائی وحدت کے لوگوں نے اپنی کمیونٹی یا برادری کے افراد کے لئے رفاہی فنڈ قائم کیے ہوئے ہیں۔ فاؤنڈیشن یا ٹرسٹ کی صورت میں اس فنڈ میں زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی وغیرہ کی رقوم جمع کی جاتی ہیں۔ اس فنڈ سے برادری یا کمیونٹی کے افراد کو آسان شرائط پر قرض دیئے جاتے ہیں۔ خرچ کرتے وقت زکوٰۃ کے استحقاق شرعی معیار کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، یہ طریقہ کار شرعاً درست نہیں ہے۔ اول تو زکوٰۃ جب تک صحیح حقدار تک نہیں پہنچے گی، محض برادری کے فنڈ میں جمع ہونے سے ادا نہیں ہوگی۔ دوم یہ کہ فطرہ و زکوٰۃ کی رقم جب تک الگ مد میں رکھ کر تملیک کے شرعی اصولوں کے مطابق مستحق فرد کو ادا نہیں کی جائے گی، ادا نہیں ہوگی۔ مندرجہ بالا مقاصد بلاشبہ لائق تحسین ہیں، لیکن ان کے لئے صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ، فطرہ اور فدیہ وغیرہ سے الگ نفلی صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کی رقوم اور عطیات وغیرہ پر مشتمل "ویلفیئر فنڈ" قائم کرنا چاہئے۔ جس کے صَرف پر زکوٰۃ، فطرہ والی پابندیاں عائد نہیں ہوں گی۔

لنگرِ عام پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کا مسئلہ:

آج کل چوکوں اور چوراہوں پر بالخصوص رمضان المبارک کے مہینے میں بعض لوگ زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ وغیرہ کی رقوم سے لنگرِ عام کھلاتے ہیں، جس میں اس بات کی کوئی تمیز نہیں ہوتی کہ یہ لوگ مستحقِ زکوٰۃ ہیں یا نہیں؟، اس میں غیر مسلم بھی آکر شامل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں بن سکتے۔ اگر بالفرض سبھی لنگر کھانے والے مستحق ہوں تو بھی اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے محض اِباحت (یعنی کسی چیز کو کسی مستحق کے استعمال کے لئے مباح کر دینا) کافی نہیں بلکہ اس کو مالک بنانا ضروری ہے۔ لہٰذا ہماری رائے میں زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے ادا کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے اور اس طرح سے زکوٰۃ دینے والے اپنے فرض سے بری نہیں ہوں گے۔ اور جو تنظیمیں اس طرح کا نظام چلاتی ہیں، وہ بھی عنداللہ جوابدہ ہوں گی۔ البتہ اگر نفلی خیرات (Charity) کے طور پر کوئی یہ لنگر چلا رہا ہے تو جائز ہے۔ ویسے ہمارے نزدیک یہ طریقہ احترامِ

انسانیت کے منافی ہے۔

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''صدقۂ فطر کا ایک رکن تملیک (یعنی فقیر کو مالک بنا دینا) ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''ہر آزاد اور غلام کی طرف سے ادا کرو''۔ اور ادا کے معنی ہیں مالک بنا دینا، لہٰذا اگر فقیر کے لئے کھانا مباح کر دیا جائے (یعنی اسے کہا جائے کہ بیٹھ کر کھالو لیکر جانے کی اجازت نہیں) تو صدقہ ادا نہیں ہوگا، اسی طرح ہر اُس صورت میں ادا نہیں ہوگا جس میں اصلاً تملیک نہ ہو یا مطلقاً نہ ہو۔ اِس پر جو مسائل مبنی ہیں، وہ ہم نے ''زکوٰۃ المال'' میں لکھ دیئے ہیں اور وہاں پر رکنِ تملیک کی شرائط بھی لکھ دی ہیں، سوائے اس کے کہ جسے صدقۂ فطر دیا جارہا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا ذمی کو بھی دے سکتے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک مُؤدٰی (یعنی جسے صدقۂ فطر دیا جارہا ہے) کا مسلمان ہونا شرط ہے اور ذمیوں کو دینا جائز نہیں ہے''۔

(بدائع الصنائع، جلد:2، ص:112)

مساجد کی تعمیر و مصارف پر زکوٰۃ خرچ کرنا:

مساجد کی تعمیر اور مصارفِ جاریہ پر براہِ راست زکوٰۃ وفطرہ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ ان مقاصد کے لئے بلاضرورت حیلہ کا سہارا لیتے ہیں، ہماری رائے میں یہ حیلہ کا غلط استعمال ہے اور اس سے شریعت کی منشا کو باطل کرنا مقصود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۶ پر لکھتے ہیں: کسی خفیہ طریقہ سے مقصود حاصل کرنے کو حیلہ کہتے ہیں، علما کے نزدیک اس کی کئی اقسام ہیں:

(۱) اگر جائز طریقے سے کسی کا حق (خواہ اللہ کا حق ہو جیسے زکوٰۃ یا بندے کا حق) باطل کیا جائے یا کسی باطل (مثلاً سود اور رشوت وغیرہ) کو حاصل کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے۔ (۲) اگر جائز طریقے سے کسی حق کو حاصل کیا جائے یا کسی ظلم یا باطل کو دفع کیا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا واجب ہے (۳) اگر جائز طریقے سے کسی ضرر سے محفوظ رہا جائے تو یہ حیلہ مباح ہے (۴) اگر جائز طریقے سے کسی مستحب کو ترک کرنے کا حیلہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

نوٹ: میں نے یہ کتاب مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی حفظہ اللہ تعالیٰ کو تصحیح کے لئے دی، تو انہوں نے اپنے موقف کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کیا:

''راقم حیلہ کا فتویٰ نہیں دیتا بلکہ سائل سے کہتا ہے کہ مستند و معتمد مفتی سے اپنا مسئلہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر کے فتویٰ لیں اگر واقعی حیلے کی ضرورت ہوگی تو جواز کا فتویٰ مل جائے گا ورنہ منع کر دیا جائے گا نیز جو فتویٰ ملے گا اگر وہ جواز کا ہے تو اسی بیان کردہ صورت کا ہوگا نہ یہ کہ اس پر قیاس کر کے حیلے کے فتویٰ کو ہر ایک چیز کے لئے سندِ جواز بنالیا جائے''۔

ہسپتالوں میں زکوٰۃ سے نادار مریضوں کا علاج:

رفاہی ادارے جو مریضوں کے علاج کے لئے زکوٰۃ کی رقم جمع کرتے ہیں، وہ اگر حدودِ شرع میں رہ کر زکوٰۃ خرچ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی چند صورتیں یہ ہیں: (۱) جتنی مالیت کی دوا نادار مستحقِ زکوٰۃ کی ملک میں دے دی جائے گی وہ جائز ہے، اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (۲) ڈاکٹر کی فیس، بیڈ کے کرائے، ایکسرے، میڈیکل ٹیسٹ وغیرہ پر جو خرچ آئے، وہ مریض خود ادا کرے اور استحقاق کے تعین کے بعد شعبۂ زکوٰۃ سے مریض کو ان مصارف کے عوض کل یا گنجائش کے تناسب سے جتنی رقم دی جا سکتی ہے، دے دی جائے (۳) زکوٰۃ و فطرہ یعنی صدقاتِ واجبہ کی رقم صرف مستحق مریضوں کو دی جائے اور غیر مسلم نادار مریضوں کے لئے الگ سے ''ویلفیئر فنڈ'' قائم کیا جائے، جو عطیات پر مشتمل ہو۔ (۴) چند سال پیشتر جب مرکزی زکوٰۃ کونسل کے ایک رکن نے ایک رفاہی ادارے کا معائنہ کیا تھا تو انہوں نے زکوٰۃ کے حوالے سے بہت سے ناقص پہلوؤں کی نشاندہی بھی کی تھی۔

جامعات کے مستحق طلبہ کی اعانت:

کالجوں اور جامعات میں زیر تعلیم مستحق طلبہ کی اعانت کی جا سکتی ہے، اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انہیں زکوٰۃ کی مد سے براہِ راست رقم دی جائے اور وہ متعلقہ ادارے کی فیس خود ادا کریں۔ انہیں ذاتی استعمال کے لئے بطورِ ملکیت کتابیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ البتہ زکوٰۃ کی رقم سے لیبارٹری کے آلات، کمپیوٹرز، لائبریری کے لئے کتب نہیں خریدی جا سکتیں، کیونکہ زکوٰۃ محض کسی چیز کو مباح کر دینے یا اس پر تصرف کا موقع دینے سے ادا نہیں ہوتی۔ البتہ جس طالب علم کی اعانت مالِ زکوٰۃ سے کی گئی ہو اس سے ان اشیاء یا لائبریری یا لیبارٹری یا ہاسٹل وغیرہ کے استعمال کی فیس وصول کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ فنڈ سے قرضِ حسن:

حال ہی میں ہمارے پاس ایک سے زیادہ استفسارات آئے ہیں کہ بعض برادریوں (Communities) کی فلاحی انجمنیں (Welfare Associations) ہیں، وہ برادریوں کے اہلِ ثروت افراد سے زکوٰۃ، فطرہ اور فدیہ کی رقم جمع کرکے اس میں سے برادری کے نادار اور مستحق افراد کی مدد کرتے ہیں، یہ ایک مستحسن امر ہے اور شرعاً درست ہے۔ لیکن وہ یہ بھی کرتے ہیں کہ اس زکوٰۃ فنڈ سے ضرورت مند افراد کو قرضِ حسن کے طور دیتے ہیں اور پھر ان سے آسان اقساط میں وصول کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کا جاری (Regenerating) فنڈ بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ کی ادائیگی سے عہدہ برا ہونے کی صورت یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو اس کا مالک بنا دیں اور ان کو اختیار ہو کہ اپنی آزادانہ مرضی سے جیسے چاہے تصرف کرے اور انجمنوں (Associations) کے ذمہ داران زکوٰۃ کے لئے اہلِ ثروت کے وکیل ہوتے ہیں اور اگر وہ اس ذمہ داری کو شرعی احکام کے مطابق ادا نہیں کریں گے تو عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔ ایسی انجمنوں کے ذمّے داروں کو چاہئے کہ وہ صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، فدیہ، فطرہ، نذر اور کفارہ کی رقوم) سے الگ عطیات اور نفلی صدقہ وخیرات پر مشتمل ایک رفاہی فنڈ (Welfare Fund) قائم کریں، جس سے ضرورت مندوں کو بلاسود قرضے جاری کریں اور ادائیگی کے لئے انہیں حسبِ حال رعایت دیں۔ اور اگر کوئی نادار قرض کی واپسی کے قابل نہ ہو تو اسے معاف کر دیں۔ یہ اپنی جگہ ایک بہت بڑی نیکی اور اجر کا کام ہے۔

زکوٰۃ فنڈ کا انویسٹمنٹ:

بعض انجمنیں زکوٰۃ کی رقوم کو قومی بچت کی اسکیموں میں لگا کر سرمایہ کاری کرتی ہیں، اور ان سے جو سود حاصل ہوتا ہے اس سے ناداروں کی اعانت کرتی ہیں، یہ عمل بھی شرعاً ناجائز ہے، اس سے زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوتی اور سود لینے کا وبال الگ ہے۔ ایسے لوگ گناہ گار ہیں، اگر زکوٰۃ دینے والوں کی منشا بھی اس میں شامل ہے تو وہ بھی گناہ گار ہوں گے اور ان کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔

اپنے اصول وفروع کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا:

قرابت دار اگر صاحبِ نصاب نہ ہوں بلکہ مفلس ونادار ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ تاہم اپنے اصول (یعنی ماں باپ، دادادادی، نانانانی وغیرہ) اور فروع (یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسانواسی وغیرہ) کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہیں ہوگی۔ یہی حکم صدقہ فطر' فدیہ' نذر اور کفارہ کی رقوم کا ہے، بہو یا داماد، سوتیلے باپ، سوتیلی ماں، دوسری ازواج سے شوہر کی اولاد یا شوہر اپنی بیوی کی کسی سابقہ شوہر سے اولاد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ البتہ بہن بھائی ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، بشرطیکہ جس کو زکوٰۃ دی جائے وہ اس کا شرعاً مستحق ہو۔

زکوٰۃ کی رقم سے دینی تبلیغی لٹریچر کی اشاعت:

بعض لوگ براہِ راست اپنی زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتب تبلیغی مقصد کے لئے شائع کرتے ہیں اور ان کتابوں کو مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اگرچہ دینی تبلیغی لٹریچر کی اشاعت ایک قابلِ تحسین کارِ خیر ہے، لیکن اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ جتنی مالیت کی کتابیں زکوٰۃ کے مستحق افراد کو ان کی مِلک کر کے دے دی جائیں گی، اتنی مالیت کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مالدار اور صاحبِ نصاب افراد میں ان کتابوں کو مفت بانٹنے سے اجر تو ملے گا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

ہر فرد جواب دہ ہے:

اسلامی عبادات خواہ بدنی ہوں (جیسے نماز اور روزہ وغیرہ) یا مالی (جیسے زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ وغیرہ) ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرداً فرداً عائد ہوتی ہیں۔ خاندان پر بحیثیتِ مجموعی عائد نہیں ہوتیں۔ لہٰذا والدین اور اولاد، شوہر اور بیوی میں سے جو بھی ''صاحبِ نصاب'' ہوگا، اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور اسے اپنے مال میں سے ادا کرنی ہوگی۔ تاہم اگر شوہر بیوی کی طرف سے یا اولاد والدین کی طرف سے ان کی مرضی اور اجازت سے زکوٰۃ ادا کریں تو ادا ہو جائے گی۔

زکوٰۃ کی شرح اور حکمتِ زکوٰۃ:

زکوٰۃ کی شرح سونا، چاندی، نقدرقوم، شیئرز، بینک ڈیپازٹس، بانڈز، اموالِ تجارت وغیرہ پرڈھائی فیصد ہے، جو فرض کے درجے میں ہے۔ شریعت کا کامل مطلوب اور آئیڈیل نہیں ہے۔ آئیڈیل تو یہ ہے کہ انسان زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی حلال اور طیب مال میں سے بھی ناداروں اور حاجت مندوں کی مدد کرے۔ ضرورت مندوں، قرابت داروں کی اعانت کرے۔ نفلی صدقات، عطیات اور صدقاتِ جاریہ کے کاموں میں صَرف کرے، دولت کا بندہ بن کر نہ رہ جائے، دولت کو اللہ کی بندگی میں خرچ کرے۔

مستحقِ زکوٰۃ کو ہبہ یا قرض کہہ کر زکوٰۃ ادا کرنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ

ترجمہ: ''(یہ خیرات) اُن فقراء کا حق ہے، جو خود کو اللہ کی راہ میں وقف کئے ہوئے ہیں، جو (دینی مشغولیت کے غلبے کی وجہ سے طلبِ معاش کے لئے) زمین میں تگ ودو کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، (ان کے حال سے) ناواقف شخص (خودداری کی بنا پر) ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو خوشحال تصور کرتا ہے، (اے مخاطَب!) تم ان کی علامتوں سے انہیں پہچان لوگے، وہ لوگوں سے گڑ گڑا کر سوال نہیں کرتے، (البقرۃ:273)''۔

بہت سے لوگ باعزت اور خوددار ہوتے ہیں، وہ زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے باوجود عزتِ نفس کی بنا پر کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ ان کی اسی عادت کی وجہ سے ان کے حال سے ناواقف لوگ انہیں خوشحال سمجھتے ہیں، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کر کے زکوٰۃ دینی چاہئے۔ اور اگر ان کی عزتِ نفس کو قائم رکھنے کے لئے ہبہ (Gift) یا قرض کہہ کر دے دیا جائے، تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگر وہ کبھی واپس کریں تو کہہ دیں کہ الحمدللہ مجھے ضرورت نہیں ہے، آپ انہیں استعمال کرتے رہیں۔

علامہ نظام الدین لکھتے ہیں: ''مَنْ أَعْطَى مِسْكِيْنًا دَرَاهِمَ وَسَمَّاهَا هِبَةً أَوْ قَرْضًا وَنَوَى الزَّكَاةَ فَإِنَّهَا تُجْزِيْهِ وَهُوَ الْأَصَحُّ هٰكَذَا فِيْ ''البحر الرائق''۔

ترجمہ: ''اور جس نے کسی مسکین کو رقم دی اور (اس کی عزتِ نفس کا خیال کرتے ہوئے) کہا کہ یہ ھبہ یا قرض ہے اور دل میں زکوٰۃ کی نیت کی، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، صحیح ترین روایت یہی ہے، ''البحر الرائق'' میں بھی اسی طرح نقل لیا گیا ہے، (عالمگیری جلد 1، ص:172)''۔

زکوٰۃ کے مختلف مسائل اور اُن کا حل

بیوی کا مہر زکوٰۃ واجب ہونے سے مانع نہیں

سوال: کسی شخص پر اگر بیوی کا مہر واجب ہو، تو اُسے قرض شمار کرتے ہوئے کیا اُس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟۔

جواب: آج کل بالعموم عورتوں کا مہر مؤجل ہی ہوتا ہے، جس کا مطالبہ عام طور پر دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایسا قرض نہیں ہے، جس کی ادائیگی وجوبِ زکوٰۃ میں مانع ہو۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ مَشَایِخُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِی رَجُلٍ عَلَیْهِ مَهْرٌ مُؤَجَّلٌ لِامْرَأَتِهٖ وَهُوَ لَایُرِیْدُ اَدَائَهٗ لَایُجْعَلُ مَانِعًا مِنَ الزَّکوٰۃِ لِعَدَمِ الْمُطَالَبَةِ فِی الْعَادَةِ،

ترجمہ: ”جس شخص پر اس کی بیوی کا مہر مؤجل واجب ہے اور وہ (اس وقت) اُسے ادا بھی نہیں کرنا چاہتا، اُس کے بارے میں ہمارے مشائخ رحمھم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (ایسے مہر کو) زکوٰۃ ادا کرنے میں رکاوٹ نہیں بنایا جائے گا کیونکہ عادت یہی ہے کہ اس کی ادائیگی کا (بیوی کی طرف سے فوری) مطالبہ نہیں ہوتا۔“

(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 173)

ترکے کی تقسیم سے پہلے کی مدت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص کا قضاءِ الٰہی سے انتقال ہوگیا اور اس کی جائداد اس کے شرعی ورثاء میں 2 سال کے بعد تقسیم کی گئی آیا تقسیم کے بعد گزشتہ دو سالوں کی زکوٰۃ ان کے ذمے واجب الادا ہے یا نہیں؟۔

جواب: ترکے میں جو دَین ملے، مذہب صحیح کے مطابق وہ دَینِ متوسط ہے اور دَینِ متوسط میں پچھلے سالوں کی زکوٰۃ نصاب پر قبضے کے وقت لازم ہوگی، جیسا کہ پہلے تفصیل بیان کی جاچکی ہے، لہٰذا جب دَین میں پچھلے سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے، تو وہ رقم جو کسی ایک وارث کے پاس رہی، اس کی ممکن صورتیں دو ہیں:

ا۔ ورثاء کی اجازت اور رضامندی اس میں شامل تھی، تو اس کا قبضہ وارثوں کا ہی قبضہ ہوگا، کیونکہ یہ ان کا نائب ہے۔ لہٰذا پچھلے سالوں کی زکوٰۃ لازمی ہونی چاہئے۔

۲۔ یہ کہ دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر ایک وارث نے اُسے اپنے قبضے میں رکھا، تو یہ غصب ہے اور غصب میں

اگر مالک کے پاس گواہ موجود ہوں، تو پچھلے سالوں کی زکوٰۃ دینی ہوگی، جیسا کہ تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔
ہمارے ہاں بعض اوقات فوت شدہ شخص کی رقم بینک میں موجود ہوتی ہے اور بروقت تقسیم نہیں ہو پاتی، کیونکہ قانونی کارروائی میں کچھ عرصہ لگ جاتا ہے، وہ مدت ساقط ہوگی۔ عالمگیری میں ترکے میں ملنے والے دَین کو دَینِ ضعیف شمار کیا ہے، لیکن یہ مفتیٰ بہ قول نہیں ہے، بلکہ یہ ضعیف قول ہے، جیسا کہ درِمختار کے حوالے سے دَین کی اقسام میں گزرا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ترکے میں ملنے والے دَین کو "دَین متوسط" قرار دیا ہے اور عالمگیری کے جزئیہ کے بارے میں لکھا: "کذالك کون الموروث من المتوسط، هو الرجیح، وان جزم فی الهندیة علی الزاهدی انه من الضعیف، فقد مرضهافی الخانیة واُخر، وهکذ اشار الی تضعیفه فی الفتح والبحر

ترجمہ: "اور اسی طرح (تاخیر سے ملنے والا) مالِ وراثت بھی "دَینِ متوسط" میں شامل ہے اور یہی راجح قول ہے۔ اگرچہ فتاویٰ عالمگیری میں زاہدی کے حوالے سے جزم (یقینی قرار دیا) کیا ہے کہ یہ دَینِ ضعیف ہے۔ فتاویٰ قاضی خان اور دوسرے فتاویٰ میں اسے کمزور قول قرار دیا ہے۔ اسی طرح فتح القدیر اور البحر الرائق میں بھی اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد:10، ص:165)

ردالمحتار میں ہے:

ای مثل الدین المتوسط فیما مرونصابهٗ حین ورثه رحمتی وروی انه کاالضعیف، "فتح"، "بحر"، والاول ظاهر الروایة۔

ترجمہ: "جیسا کہ گزشتہ بحث میں گزرا کہ یہ دَینِ متوسط کی طرح ہے اور اس کا نصاب اسی وقت سے معتبر ہوگا جب وہ اس کا وارث بنا، (بحوالہ) رحمتی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ دَینِ ضعیف کی طرح ہے، (بحوالہ) فتح القدیر والبحر الرائق، اور پہلا قول (یعنی تاخیر سے ملنے والے مالِ وراثت کا دَینِ متوسط ہونا) ظاہر الروایہ ہے، (جلد:03، ص:218)"۔

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں دو سال بعد ملنے والے مالِ وراثت میں سے جو مال نامی ہے، اُس پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

زکوٰۃ کی رقم مصارفِ مسجد میں استعمال نہیں کی جاسکتی

سوال: ہمارے علاقے کی مسجد جس کا بجلی کا بل تقریباً ایک لاکھ روپے تک پہنچ چکا ہے۔ اب مسجد کمیٹی کا کہنا ہے کہ اس بل کی ادائیگی زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم سے کی جاسکتی ہے۔ کیا شرعاً اس کی اجازت ہے کہ مسجد کا بل زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم سے جمع کرایا جائے؟۔

جواب: زکوٰۃ یا فطرے کی رقم تعمیر مسجد یا مصارفِ مسجد (یوٹیلیٹی بلز وغیرہ کی مد) میں استعمال نہیں کی جاسکتی، اکثر مساجد کمیٹیاں ان مقاصد کے لئے حیلے کا سہارا لیتی ہیں یہ حیلہ کا غلط استعمال ہے اور اس سے منشائے شریعت کو باطل کرنا مقصود ہے۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَلَا یَجُوزُ أَن یُبْنَی بِالزَّکَاۃِ الْمَسْجِدُ وَکَذَا الْقَنَاطِرُ وَالسِّقَایَاتُ وَاِصْلَاحُ الطُّرُقَاتِ وَکَرْیُ الْاَنْهَارِ وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ وَکُلُّ مَا لَاتَمْلِیكَ فِیهِ وَلَایَجُوزُ أَن یُکَفَّنَ بِهَا مَیِّتٌ وَلَایُقْضٰی بِهَا دَیْنُ الْمَیِّتِ کَذَا فِی التَّبْیِینِ۔

ترجمہ: ''اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر جائز نہیں ہے اور اسی طرح پلوں کی تعمیر، کنوؤں کی کھدائی، راستوں کی درستگی، نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد کے لئے (زکوٰۃ کی رقم کا براہِ راست استعمال) جائز نہیں ہے۔ اور (اسی طرح) ہر اُس کام کے لئے جس میں تملیک نہیں پائی جاتی (زکوٰۃ کی رقم کا استعمال) جائز نہیں ہے۔ (زکوٰۃ کی رقم کو) میت کے کفن دفن اور اُس کے قرض کی ادائیگی کے لئے بھی (براہِ راست استعمال کرنا) جائز نہیں ہے، ''تبیین'' میں اسی طرح ہے، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 188)''۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے خلافت فنڈ میں زکوٰۃ کی رقم دینے کے متعلق سوال کیا گیا، آپ لکھتے ہیں:

''زکوٰۃ مسجد میں دے تو ادا ہو نہیں سکتی، اُسے خلافت فنڈ میں کیسے دیا جاسکتا ہے، زکوٰۃ کا رکن ''فقیر کو مالک بنانا'' ہے۔ دُرِّ مختار میں ہے: لَاصَرْفَ اِلَی مَسْجِدٍ لِعَدَمِ التَّمْلِیكِ وَهُوَ الرُّکْنُ، ترجمہ: ''کسی مسجد میں زکوٰۃ کے مال کو خرچ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں محتاج کو مالک نہیں بنایا جاتا جبکہ فقیر کو مالک بنانا زکوٰۃ کا رکن ہے، (فتاویٰ رضویہ، جلد 23، ص: 106، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)''۔

اس تفصیل کی روشنی میں مسجد کی بجلی کا بل براہِ راست زکوٰۃ وفطرہ کی رقم سے ادا نہیں کیا جاسکتا، اس طرح زکوٰۃ وفطرے کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہوں گے اور عنداللہ مسجد کی انتظامیہ جواب دہ ہوگی۔ کراچی میں مساجد کی

انتظامیہ مساجد میں قائم حفظ وناظرہ کے مدارس کے نام پر، جہاں اہلِ محلّہ کے بچے پڑھتے ہیں، زکوٰۃ وفطرہ جمع کرتے ہیں، یہ بھی شرعاً درست نہیں ہے۔ بعض لوگ اِس سلسلے میں حیلے کا سہارا لیتے ہیں، لیکن ضرورتِ شرعی کے بغیر حیلے کا یہ استعمال بھی درست نہیں ہے۔ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے مصارف اللہ جل شانہٗ قرآن مجید میں بیان فرمادیئے ہیں (سورہ توبہ:60)، ان میں کسی کو تصرف کا اختیار نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ (بِسَنَدِہٖ)أَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَبْنَ الْحَارِثِ الصُّدَائِيَّ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَبَايَعْتُهُ، فذَكَرَحَدِيْثًا طَوِيْلاً فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ:أَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَّلَاغَيْرِهٖ حَتّٰى حَكَمَ فِيْهَا هُوَ،فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ، فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ، أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ۔

ترجمہ: ”عبداللہ بن مسلمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ان کے شیخ الشیخ نے زیاد بن صدائی کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعتِ اسلام کی، پھر انہوں نے ایک طویل حدیث بیان کی اور اس دوران انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ عنایت فرمایئے! تو رسول اللہ ﷺ نے اُس سے فرمایا: (مصارفِ زکوٰۃ کے معاملے کو) اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے حکم پر نہیں چھوڑا (یعنی یہ صوابدیدی مسئلہ نہیں ہے) بلکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے (سورۂ توبہ:60 میں) خود ہی فیصلہ فرمادیا ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں، تو اگر تم ان میں سے کسی مصرف کے تحت حق دار بنتے ہو تو (مالِ زکوٰۃ میں سے) تمہارا حق تمہیں دے دوں گا (ورنہ تمہیں نہیں دوں گا)، (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:1627)“۔

زکوٰۃ محض وکیل کو دینے سے ادا نہیں ہوتی

سوال: ایک شخص نے اپنی زکوٰۃ کی رقم ہر مہینے ایک بیوہ عورت کو پہنچانے کے لئے ایک قابلِ بھروسا نوجوان کے سپرد کی اور وہ یہ سمجھتا رہا کہ مذکورہ رقم بیوہ تک پہنچ جاتی ہوگی۔ کئی سال بعد اُس شخص کی اُس بیوہ سے ملاقات ہوئی، کسی بات پر یہ راز کھلا کہ چند ماہ تک تو یہ رقم اُسے ملی لیکن تقریباً پانچ چھ سال سے کوئی رقم نہیں ملی۔ جب اُس شخص نے نوجوان سے دریافت کیا تو اُس نے قبول کرلیا کہ ہاں میں نے کئی سال سے یہ گناہ یا بے ایمانی کی ہے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس گناہ کی سزا کیا ہے اور کفارہ یا تلافی کس طرح ہوگی؟۔

جواب: صورتِ مسئولہ میں مذکورہ نوجوان کی حیثیت زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے محض وکیل کی ہے، اُس پر لازم تھا کہ وکیل کی حیثیت سے بیوہ کو آپ کی زکوٰۃ پہنچاتا، جس میں وہ خیانت کا مرتکب ہوا۔ امانت میں قصداً خیانت کی حرمت سے متعلق قرآنِ مجید میں آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ بکثرت موجود ہیں اور اُخروی عذاب کی وعیدیں بھی ہیں۔ مذکورہ شخص پر اس رقم کا تاوان دینا لازم ہے کہ وہ اُس شخص کو (جس نے اسے زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے اپنا وکیل بنایا) تاوان ادا کرے اور وہ شخص پھر اپنی زکوٰۃ ادا کرے۔ جس عرصے کی زکوٰۃ اس نے مستحق بیوہ تک نہیں پہنچائی، وہ ادا نہیں ہوئی اور اب آپ کے ذمے اس عرصے کی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے۔ البتہ آپ کے وکیل نوجوان نے جو قصداً خیانت کی ہے، اس پر وہ گنہگار ہے اور اس پر توبہ لازم ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ وہ ساری رقم آپ کو واپس لوٹائے۔ ایسے شخص کے لئے حدیث پاک میں وعید ہے: امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز ایک حدیث کا حوالہ درج فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَاخَالَطَتِ الصَّدَقَةُ اَوْ مَالُ الزَّكٰوةِ مَالاً اِلَّا اَفْسَدَتْهُ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْبَيْهَقِيّ عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ الصِّدِّيْقَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔

ترجمہ: ''زکوٰۃ کا مال جس مال میں ملے گا، وہ اُسے تباہ و برباد کردے گا، اس حدیث کو بزار اور بیہقی نے ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا''۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، ص: 172، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اسی حدیث کی شرح میں علامہ امجد علی اعظمی لکھتے ہیں: ''بعض ائمہ نے اس حدیث کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ زکوٰۃ واجب ہوئی اور ادا نہ کیا اور اپنے مال میں ملائے رہا تو یہ حرام مال اُس حلال مال کو ہلاک کردے گا۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ مالدار شخص مالِ زکوٰۃ لے تو یہ مالِ زکوٰۃ اس کے مال کو ہلاک کردے گا کہ زکوٰۃ فقیروں کے لئے ہے اور دونوں معنی صحیح ہیں، (بہارِ شریعت، جلد اوّل، ص: 357)''۔ ہلاکت کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ وہ مال ہلاک ہوجائے گا اور دوسرا یہ کہ زکوٰۃ کے اختلاط سے اس مال میں برکت نہیں رہے گی۔

زکوٰۃ کے چند مسائل

میری بھانجی جو کہ صاحب نصاب نہیں ہیں، میں اُن کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان یا پلاٹ دینا چاہتا ہوں، جس سے

امید ہے کہ اُنہیں مستقبل میں رہنے کی جگہ کا مسئلہ حل ہوجائے گا اور اگر اُس میں نہ بھی رہیں تو کرائے پر دے کر مالی فوائد حاصل کرسکتی ہیں۔ چند مسائل زکوٰۃ سے متعلق جاننا چاہتا ہوں جو میرے ساتھ دوسروں کی رہنمائی کا بھی ذریعہ بنیں گے۔

سوال: 1۔کیا یہ بتائے بغیر کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے،کسی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟،زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زبان سے کہنا ضروری ہے یا نیت کافی ہے؟۔

کچھ لوگ ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی مروّت یا خودداری کے سبب لینے سے انکار کردیتے ہیں تو کیا اُنہیں زبردستی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟۔

جواب: جی ہاں! یہ اندیشہ ہو کہ خودداری کی بنا پر نہیں لے گا،تو مستحقِ زکوٰۃ شخص کو یہ بتائے بغیر بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے، بلکہ ہبہ یا قرض کہہ کر بھی دی جاسکتی ہے جبکہ دل میں یہ نیت ہو کہ واپس نہیں لوں گا اور دیتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرلے تو یہ ادائے زکوٰۃ کے لئے کافی ہے،علامہ نظام الدین لکھتے ہیں:

"مَنْ أَعْطٰی مِسْکِیْنًا دَرَاهِمَ وَسَمَّاهَا هِبَةً أَوْ قَرْضًا وَنَوَی الزَّکَاةَ فَإِنَّهَا تُجْزِیهِ وَهُوَ الْأَصَحُّ هٰکَذَا فِی "الْبَحْرِ الرَّائِقِ"۔

ترجمہ:''اور جو شخص کسی مسکین (مستحقِ زکوٰۃ شخص) کو کچھ درہم (زکوٰۃ کی مد میں) یہ کہہ کر دے کہ یہ ہبہ یا قرضہ ہے اور دیتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرلے تو یہ عمل ادائے زکوٰۃ کے لئے کافی ہے اور یہی قول صحیح ترین ہے ''البحر الرائق''میں''المبتغی''اور''القنیہ''سے اسی طرح منقول ہے،(فتاویٰ عالمگیری،جلد 1،ص:171،مکتبۂ رشیدیہ،کوئٹہ)''۔

مستحقِ زکوٰۃ ضرورت مند رشتے دار یا کسی شخص یا اشخاص کو بتائے بغیر زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے،زبان سے کہنا ضروری نہیں بلکہ دل میں نیت اور ارادہ ہونا کافی ہے۔ رشتے دار اگر مفلس و نادار ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں ادائے زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ صلۂ رحمی کا اجر بھی ملتا ہے اور اُن کی خودداری کو قائم رکھتے ہوئے زکوٰۃ کے بجائے ہبہ یا قرض کہہ کر بھی دے سکتے ہیں۔

سوال: 2۔کیا میں یہ مکان یا پلاٹ (زکوٰۃ کی رقم سے) اس شرط کے ساتھ کہ وہ اُسے نہ بیچیں،دے سکتا ہوں؟۔

جواب: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مالک بنانا) شرط ہے یعنی جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے، اُسے اُس مال پر تصرُّف کا مکمل اختیار حاصل ہونا چاہئے اور آپ کی مذکورہ شرط اِس لحاظ سے باطل ہے، کیونکہ اس سے زکوٰۃ میں تملیک کی لازمی شرط مفقود ہوجاتی ہے۔ مگر زکوٰۃ یا صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتے، بلکہ ایسی شرط خود ہی کالعدم ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اگر آپ یہ شرط لگا کر یہ مکان یا پلاٹ ان کی مِلک کرتے ہیں، تو آپ کی یہ شرط باطل ہے اور انہیں اسے فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

سوال: 3۔ ان پلاٹس یا مکان کی دیکھ بھال، مرمت، بجلی وغیرہ کے بل، ٹیکس کی ادائیگی زکوٰۃ کی رقم سے کی جاسکتی ہے؟۔ اسی طرح مکان یا پلاٹس کو نام کرانے کے اخراجات، حکومتی ٹیکس کی ادائیگی یا کسی مرحلے پر رشوت دینا پڑے تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے دی جاسکتی ہے؟۔

جواب: مذکورہ مدات یعنی مستحقِ زکوٰۃ کو دیئے گئے پلاٹ کی دیکھ بھال، مرمت، بجلی وغیرہ کے بلوں کی ادائیگی اور ٹیکسز کی ادائیگی براہِ راست کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اگر نادار کو زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے اور وہ اپنی مرضی سے اسے ان مصارف پر خرچ کرے یا خرچ کرنے والے کو اپنا وکیل بنادے تو جائز ہے۔ اسی طرح پلاٹ یا مکان کو مستحق کے نام منتقل کرنے کے اخراجات بھی براہِ راست کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اگر مستحق کو رقم دے دی جائے اور وہ اپنی مرضی سے ان مصارف پر خرچ کرے یا خرچ کرنے والے کو اپنا وکیل بنا دے تو جائز ہے۔ رشوت کا لین دین شرعاً حرام ہے اور حرام کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا بھی حرام ہے۔

سوال: 4۔ کیا مکان یا پلاٹ کے ساتھ ساتھ نقد رقم بھی دے سکتا ہوں؟۔

جواب: اگر مستحق کو مکان یا پلاٹ کا مالک بنادیا ہے تو یہ چیزیں حاجتِ اصلیہ میں سے ہیں اور وہ مکان کا مالک بننے کے بعد بھی مستحقِ زکوٰۃ ہے، تو اسے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

سوال: 5۔ کیا میں اس بھانجی کے علاوہ بھانجے، بھتیجے، بھتیجی بہن، بہنوئی وغیرہ کو بھی زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟۔

جواب: یہ قرابت دار اگر صاحبِ نصاب نہ ہوں بلکہ مفلس و نادار ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے۔ تاہم اپنے اصول (یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا نانی وغیرہ) اور فروع (یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی وغیرہ) کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، یہی حکم صدقۂ فطر، فدیہ، نذر اور کفارہ کی رقوم کا ہے۔ خالہ، خالو،

ماموں، ممانی، بہو یا داماد، سوتیلے باپ، سوتیلی ماں، دوسری ازواج سے شوہر کی اولاد یا شوہر کی اپنی بیوی کی کسی سابق شوہر سے اولاد (اگر یہ لوگ صاحبِ نصاب نہ ہوں تو) ان سب کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ البتہ اپنے مستحق بھائی یا بہن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، علامہ نظام الدین لکھتے ہیں: وَالْاَفْضَلُ فِی الزَّکَاۃِ وَالْفِطْرِ وَالنُّذُوْرِ الصَّرْفُ اَوَّلًا اِلَی الْاِخْوَۃِ وَالْاَخَوَاتِ ثُمَّ اِلٰی اَوْلَادِھِمْ ثُمَّ اِلَی الْاَعْمَامِ وَالْعَمَّاتِ ثُمَّ اِلٰی اَوْلَادِھِمْ ثُمَّ اِلَی الْاَخْوَالِ وَالْخَالَاتِ ثُمَّ اِلٰی اَوْلَادِھِمْ ثُمَّ اِلٰی ذَوِی الْاَرْحَامِ ثُمَّ اِلَی الْجِیْرَانِ ثُمَّ اِلٰی اَھْلِ حِرْفَتِہٖ ثُمَّ اِلٰی اَھْلِ مِصْرِہٖ اَوْ قَرْیَتِہٖ کَذَا فِی "السِّرَاجِ الْوَھَّاجِ"۔

ترجمہ: ''زکوٰۃ، فطرہ اور نذر کی رقوم میں افضل یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے بہن بھائیوں، پھر ان کی اولاد، پھر چچاؤں اور پھوپھیوں، پھر ان کی اولاد، پھر خالاؤں اور ماموؤں، پھر ان کی اولاد، پھر دور کے غیر نسبی رشتہ داروں، پھر پڑوسیوں، پھر ہم پیشہ افراد، پھر شہر یا بستی والوں کو دی جائے (بشرطیکہ یہ تمام لوگ نادار ہوں اور مستحقِ زکوٰۃ ہوں)، جیسا کہ ''السراج الوہاج'' میں ہے، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:190)''۔

زکوٰۃ وفطرہ کی جبری وصولی:

سوال: بعض علاقوں میں کچھ لوگ بدمعاشی اور طاقت کے بل پر لوگوں سے جبراً زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ اور صدقات وصول کرتے ہیں۔ اور لوگ ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، نہ ہی حکومت لوگوں کو ایسے مسلح گروپوں سے تحفظ دیتی ہے، اس لئے لوگ اپنی جان، مال اور آبرو کے تحفظ کی خاطر مجبوراً ان لوگوں کو زکوٰۃ وصدقات دے دیتے ہیں۔ کیا جبر، خوف اور ڈر سے چندے کی صورت میں زکوٰۃ، فطرے کی ادائیگی سے شرعی حکم پورا ہو جاتا ہے یا دوبارہ مستحق افراد کو ادائیگی کرنا ضروری ہے؟۔

جواب: زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ قرآن مجید کی سورۂ توبہ، آیت:60 میں متعین فرما دیئے ہیں اور وہ آٹھ مدات یہ ہیں:

(1) فقراء (2) مساکین (3) عاملین زکوٰۃ (4) مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوْب

(5) فِی الرِّقَاب: جن کی گردن کسی بڑے مالی بار تلے دبی ہوئی ہو (6) غارمین: جن پر کوئی بھاری تاوان آگیا ہو، جس سے گلوخلاصی کی کوئی سبیل نہ ہو (7) فِی سَبِیْلِ اللہ:

جو اپنے آپ کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے وقف کر چکے ہوں اور معاشی تگ و دو کیلئے انہیں وقت میسر نہ ہو

(8) اِبنُ السَّبِیل : کوئی مسافر کسی ایسے مقام پر گھر گیا ہو کہ روزی کا محتاج ہو جائے اور گھر سے رابطہ اور مالی معاونت کا حصول ممکن نہ ہو۔

جبری زکوٰۃ وفطرہ کی وصولی کے متعلق فقہاء کے دو قول ہیں: (۱) زیادہ بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ دوبارہ ادا کر دی جائے (۲) آسانی اس میں ہے کہ دوبارہ ادا نہ کی جائے۔

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وَاِذَا أَخَذَ الْخَوَارِجُ الْخَرَاجَ وَصَدَقَةَ السَّوَائِمِ لَا يُثَنّٰى عَلَيْهِمْ لِأَنَّ الْإِمَامَ لَمْ يَحْمِهِمْ وَالْجِبَايَةُ بِالْحِمَايَةِ وَأَفْتَوا بِأَنْ يُعِيدُوهَا دُوْنَ الْخَرَاجِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِأَنَّهُمْ مَصَارِفُ الْخَرَاجِ لِكَوْنِهِم مُقَاتِلَةً وَالزَّكوٰةُ مَصْرِفُهَا الْفُقَرَاءُ فَلَا يَصْرِفُونَهَا اِلَيْهِمْ، وَقِيلَ اِذَا نَوٰى بِالدَّفْعِ التَّصَدُّقَ عَلَيْهِمْ سَقَطَ عَنْهُ وَكَذَا مَا دَفَعَ اِلٰى كُلِّ جَائِرٍ لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنَ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ وَالْأَوَّلُ اَحْوَطُ ـ

ترجمہ: ''اور اگر خارجیوں نے خراج (ٹیکس) کو اور سائمہ (چرنے والے) جانوروں کی زکوٰۃ (جبراً) وصول کر لی، تو لوگوں سے دوبارہ نہیں لی جائے گی، کیونکہ امام نے لوگوں کی حفاظت نہیں کی ہے اور ٹیکس تو لوگوں کی ظالموں سے حفاظت کے سبب ہے اور لوگوں کو فتویٰ دیا جائے گا کہ وہ زکوٰۃ دوبارہ (فقیروں کو) دیدیں، خراج دوبارہ نہ دیں۔ (یہ دوبارہ زکوٰۃ دینا) ان کے اور اللہ کے درمیان ہے اس لئے کہ خوارج، خراج کا مصرف ہیں، کیونکہ وہ لڑنے والوں میں سے ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں اور (غالب امکان یہ ہے کہ) خوارج اس کو فقیروں پر خرچ نہ کریں گے اور کہا گیا (یہ فقیہ ابوجعفر کا قول) ہے کہ: جب مال کے مالک نے خارجیوں کو دیتے وقت ان کو صدقہ دینے کی نیت کی تو مالک سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور ایسے ہی ہر اُس مال کے دینے میں جو کسی ظالم کو دینا پڑے چونکہ ان لوگوں نے لوگوں کے حقوق اور مال ظلماً غصب کئے ہیں (جن پر ان کا حق نہیں ہے، لہٰذا یہ شرعاً اس مال کے مالک بھی نہیں ہیں، صرف غاصب ہیں)، اس لئے فقیر کے حکم میں ہیں اور قولِ اوّل میں زیادہ احتیاط ہے (یعنی شرعاً احتیاط اسی میں ہے کہ مالدار آدمی دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کرے)''۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: قَالَ فِی "اَلْجَامِعِ الصَّغِيْرِ" "لِقَاضِی خَان":

وَكَذٰلِكَ السُّلْطَانُ اِذَا صَادَرَ رَجُلًا، وَأَخَذَ مِنْهُ أَمْوَالًا ،فَنَوٰى صَاحِبُ الْمَالِ الزَّكَاةَ عِنْدَ الدَّفْعِ

سَقَطَتْ عَنْهُ الزَّكَاةُ، لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنَ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ، فَإِنَّهُمْ إِذَا رُدُّوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى مَنْ أَخَذُوهَا مِنْهُمْ لَمْ يَبْقَ مَعَهُمْ شَيْءٌ۔

ترجمہ: '''' جامع الصغیر'' میں قاضی خان سے منقول ہے: اسی طرح حاکم اگر کسی شخص کے اموال (زبردستی) چھیننے کا حکم صادر کردے اور صاحبِ مال، مال دیتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرلے تو مالک سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ اس لئے کہ یہ لوگ (لوگوں کا مال ظلماً لینے کی وجہ سے) فقیر ہیں اگر ان سے یہ سارا مال لے کر حق دار لوگوں کو دے دیا جائے تو ان کے پاس کچھ باقی نہیں رہے گا، (ہدایہ، جلد 2، ص: 32-31)''۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ظلماً لئے ہوئے مال پر ظالم و غاصب کی ملکیت کا حق ثابت نہیں ہوتا، وہ صرف غاصب ہے اور مظلوموں کے حقوق کو ادا کرنا ان پر شرعاً لازم ہے۔ لہٰذا اگر کبھی ان سے مظلوموں کے غصب کئے ہوئے مال اور حقوق وصول کرلئے جائیں، تو وہ فقیر رہ جائیں گے۔ تاہم ہر غاصب وظالم کے بارے میں ایسا قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے پاس اپنا کوئی مال نہیں ہے۔ لہٰذا احتیاطاً زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنے کے قول پر ہی عمل کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ آج کل جو مسلح گروہ زبردستی زکوٰۃ، فطرہ اور صدقات وصول کرتے ہیں، وہ خود بھی بااثر اور مال دار ہوتے ہیں۔

صاحبِ ہدایہ اس مسئلے کی تفہیم اس انداز سے کرتے ہیں کہ جب خوارج اہلِ عدل کے شہر میں گھس گئے اور وہاں کے کفار سے زبردستی خراج اور مسلمانوں سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرلی، تو اُن سے دوبارہ خراج یا زکوٰۃ نہیں لی جائے گی کہ امامِ عادل نے اُن کی کوئی حفاظت نہیں کی۔ کیونکہ کفار سے محصول (ٹیکس) حفاظت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، تو جب عادل امام حفاظت نہیں کرسکا تو محصول (ٹیکس) واجب نہیں۔ مسلمانوں کو فتویٰ یہ دیا جائے گا کہ وہ دیانتاً زکوٰۃ دوبارہ خود محتاجوں کو دیدیں، کفار خراج نہ دیں، اس لئے کہ خوارج خراج کا مصرف ہیں، کیونکہ وہ باغی ہیں۔ رہا زکوٰۃ کا مسئلہ تو زکوٰۃ کا مصرف مسلمان فقیر ہیں، خوارج اس کو فقیروں پر خرچ نہیں کریں گے، خوارج کے نزدیک اہلِ عدل کا قتل مباح ہے تو یہ مسلمان فقیروں پر زکوٰۃ کا مال کیسے خرچ کریں گے۔ تو جب مسلمانوں کی زکوٰۃ صحیح مصرف میں خرچ نہ ہوئی تو دیانتاً دوبارہ ادا کرنے کا فتویٰ دیا جائے گا۔ فقیہ ابو جعفر نے کہا کہ جب مالک نے خارجیوں کو دیتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرلی تو اس کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ ایسے ہی کسی ظالم وجابر کو دیتے وقت نیت کرلے کہ اس فقیر کو زکوٰۃ دیتا ہوں تو زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی، دوبارہ

ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ پہلے قول میں احتیاط ہے کہ دوبارہ بذاتِ خود فقراء کو دینے سے زکوٰۃ یقینی اور قطعی ادا ہو جائے گی، لیکن دوسرے قول میں آسانی ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:(أَخَذَ الْبُغَاةُ)وَالسَّلَاطِيْنُ الْجَائِرَةُ (زَكَاةَ) الْأَمْوَالِ الظَّاهِرَةِ كَـ(السَّوَائِمِ وَالْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ لَا إِعَادَةَ عَلَى أَرْبَابِهَا إِنْ صُرِفَ) الْمَأْخُوْذُ (فِيْ مَحَلِّهِ) الْآتِيْ ذِكْرُهُ (وَإِلَّا) يُصْرَفْ (فِيْهِ فَعَلَيْهِمْ) فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ (إِعَادَةُ غَيْرِ الْخَرَاجِ) لِأَنَّهُمْ مَصَارِفُهُ۔ وَاخْتُلِفَ فِي الْأَمْوَالِ الْبَاطِنَةِ، فَفِيْ "الْوَلْوَالِجِيَّةِ" وَ"شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ": اَلْمُفْتٰى بِهِ عَدَمُ الْإِجْزَاءِ وَفِي "الْمَبْسُوْطِ": اَلْأَصَحُّ الصِّحَّةُ إِذَا نَوٰى بِالدَّفْعِ لِظَلَمَةِ زَمَانِنَا الصَّدَقَةَ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ بِمَا عَلَيْهِمْ مِنَ التَّبِعَاتِ فُقَرَاءُ حَتّٰى أُفْتِيَ أَمِيْرُ بَلْخٍ بِالصِّيَامِ لِكَفَّارَةٍ عَنْ يَمِيْنِهِ ؛ وَلَوْ أَخَذَهَا السَّاعِيْ جَبْرًا لَمْ تَقَعْ زَكَاةً لِكَوْنِهَا بِلَا اِخْتِيَارٍ،وَلٰكِنْ يُجْبَرُ بِالْحَبْسِ لِيُؤَدِّيَ بِنَفْسِهِ لِأَنَّ الْإِكْرَاهَ لَا يُنَافِي الْإِخْتِيَارَ ۔وَفِي "التَّجْنِيْسِ": اَلْمُفْتٰى بِهِ سُقُوْطُهَا فِي الْأَمْوَالِ الظَّاهِرَةِ لَا الْبَاطِنَةِ ۔

ترجمہ:'' اگر باغی اور ظالم حکمراں لوگوں سے (زبردستی) اموالِ ظاہری کی زکوٰۃ لے لیں جیسے اونٹوں (جانوروں کی زکوٰۃ) عشر اور خراج وغیرہ ،تو مالک کے ذمے دوبارہ ادائیگی لازم نہیں ہے بشرطیکہ اُنہوں نے اُسے صحیح مَصرف پر صرف کیا ہو،جس کا بیان ''بابُ المصرف'' میں آئے گا۔اور اگر مَصرف میں خرچ نہیں کیا تو دیانتاً مال کے مالک پر لازم ہے کہ زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے،سوائے خراج کے کہ اُس کا اعادہ لازم نہیں ہے، کیونکہ وہ خراج کے مستحق ہیں اور اہلِ بغی اہلِ حرب سے مقاتلہ کرتے ہیں۔

اموالِ باطنہ (نقود اور زیورات وغیرہ) میں اختلاف ہے ''ولوالجیہ'' اور '' شرح الوہبانیہ'' میں ہے: مفتیٰ بہٖ قول یہی ہے کہ اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، یعنی پھر سے ادا کرنا ہوگی۔اور '' مبسوط'' میں ہے: صحیح ترین قول یہ ہے کہ ادا ہو جائے گی یعنی مالک پر دوبارہ ادائیگی لازم نہیں ہے، جبکہ پوشیدہ مال کی زکوٰۃ باغیوں اور ظالموں نے لے لی ہو بشرطیکہ مال کا مالک ظالموں کو دیتے وقت اُن پر صدقہ کی نیت کرلے کہ ان پر لوگوں کے واجب الادا حقوق کے سبب وہ فقیر ہیں ،اور اسی لئے امیر بلخ کو علماء نے فتویٰ دیا کہ وہ اپنی قسم توڑنے پر روزہ رکھ کر کفارہ ادا کرے (یعنی اس کے پاس جو مال ہے، وہ ظلماً لوگوں سے لیا گیا ہے،لہٰذا اس مال پر اس کی مِلک صحیح نہیں ہے کہ قسم کا مالی کفارہ اس کا صحیح تسلیم کیا جائے)۔اور اگر کوئی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرے اور حاکم کے عامل

(Recovery Inspector) نے زبردستی زکوٰۃ لے لی تو ادا نہ ہوگی کہ اس میں زکوٰۃ دینے والے کا اختیار اور مرضی شامل نہیں ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت اور اختیار ضروری ہے۔ لیکن حاکم کا نمائندہ اُس زکوٰۃ نہ دینے والے شخص کو قید و بند کے ذریعے زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کرے گا۔ تاکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے کہ مجبور کرنا اختیار کے منافی نہیں ہے۔ ''تجنیس'' میں ہے کہ: جابر حاکم کو دینے کی صورت میں مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اموالِ ظاہری میں زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے نہ کہ باطنی میں، (یعنی ان اموال کی زکوٰۃ دوبارہ دینی ہوگی، آج سونے، چاندی کے زیورات، نقد رقوم، بینک ڈپازٹس اور مختلف نوعیت کے سیونگ سرٹیفکیٹ، شیرز اور مالِ تجارت اموالِ باطنہ میں شمار ہوتے ہیں)''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 3، ص: 199 تا 201، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

زکوٰۃ کی رقم سے قرض کی ادائیگی

سوال: (الف) ایک شخص جو کہ قرض دار ہے اور بینک سے سود پر رقم قرض لی ہے، گھر گروی ہے، کچھ اور لوگوں کا پیسہ بھی دینا ہے جو کہ لاکھوں میں ہے، ضروریاتِ زندگی کی اشیاء گھر میں موجود ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی قریبی رشتے دار زکوٰۃ کی رقم سے اس کا قرض ادا کرنا چاہے تو کتنی رقم زکوٰۃ کی مد میں اسے دے سکتا ہے؟۔

(ب) ایک شخص مختلف لوگوں سے قرض لیتا ہے اور پھر کچھ عرصے بعد اس کا انتقال ہوجاتا ہے اس کے گھر کے افراد وہ قرض چکانے کی استطاعت نہیں رکھتے کیا کوئی قریبی رشتہ دار یہ قرض زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرسکتا ہے؟۔

جواب:

(الف) اگر آپ کا بیان درست ہے اور اُس مقروض شخص کا قرض اُس کے تمام مال پر محیط ہے یا اُس کے مجموعی مال سے زیادہ ہے، تو اُسے قرض سے نجات کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اگر ایسے شخص کو زکوٰۃ کی اتنی رقم دے دی جائے کہ اُس کا تمام یا اکثر قرض ادا ہوجائے، تو بھی جائز ہے۔ گھریلو سامان جس کا تعلق اُس کی بنیادی حاجات وضروریات سے ہے، اس سے وہ مالدار نہیں قرار پاتا، جیسے آج کل لوگوں کے پاس ریفریجریٹر اور ٹی۔ وی ہوتا ہے یا کوئی سواری ہوتی ہے، جیسے موٹر سائیکل یا کار وغیرہ یا استعمال کے برتن اور فرنیچر وغیرہ ہوتا ہے۔ یہ چیزیں استحقاقِ زکوٰۃ سے مانع نہیں ہیں۔ البتہ جو لوگ قرض لے کر یہ چیزیں لیتے ہیں، اُن کی یہ

عادت معیوب ہے، کیوں کہ ان کے بغیر گزر اوقات ممکن ہے۔ انتہائی اضطرار کے بغیر سودی قرض ناجائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

(ب) اگر کوئی شخص مقروض تھا اور اُس کا انتقال ہو گیا اور اُس نے اتنا ترکہ بھی نہیں چھوڑا کہ جس سے اُس کا قرض ادا کیا جائے، تو زکوٰۃ کے مال سے اُس کا قرض براہِ راست تو ادا نہیں کیا جا سکتا، البتہ اُس کے ورثاء میں سے کوئی مستحق زکوٰۃ ہے، تو اُسے زکوٰۃ کا مال دے کر اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ اپنے اس فوت شدہ عزیز کا قرض ادا کر دے۔ ہاں! اگر کوئی مال دار شخص اپنے طیب مال میں سے کسی زندہ یا فوت شدہ مقروض کا قرض ادا کر دے تو عند اللہ یہ بہت بڑے اجر کی بات ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے نادار کے قرض کی ادائی / زکوٰۃ کی رقم ھبہ یا قرض کہہ کر دینا

سوال: کیا زکوٰۃ کی رقم ایسے عزیز کو دی جا سکتی ہے، جو اپنی قلیل تنخواہ کی وجہ سے مقروض ہے اور اس کی لڑکی کی شادی طے ہو گئی ہے، مگر شادی کا خرچ نہ ہونے کی وجہ سے رکی ہوئی ہے۔ معلوم ہے کہ وہ شخص زکوٰۃ کی رقم لینے پر تیار نہیں ہوگا تو کیا اس کو بتائے بغیر اس کے قریبی رشتہ دار زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں، کیا اس طرح زکوٰۃ کی ادائی ہو جائے گی؟۔

جواب: زکوٰۃ کے صحیح طور پر ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جا رہی ہے، وہ زکوٰۃ کا مستحق ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو، سید و ہاشمی نہ ہو، تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ زکوٰۃ کا مستحق وہ شخص ہے، جس کے پاس کم از کم نصاب کے مساوی بنیادی ضروریات سے فاضل مال موجود نہ ہو۔ نصابِ شرعی کی مقدار یہ ہے 612.36 گرام چاندی یا اس کی رائج الوقت قیمت کے مساوی نقد رقم، یا مالِ تجارت جو اس کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو۔ قرابت دار اگر صاحبِ نصاب نہ ہوں بلکہ مفلس و نادار ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے مستحق کے حکم سے اس کا قرض بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور زکوٰۃ کے مستحق شخص کو بتائے بغیر بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، بلکہ ہبہ یا قرض کہہ کر بھی دی جا سکتی ہے اور دل میں یہ نیت ہو کہ واپس نہیں لوں گا، علامہ نظام الدین لکھتے ہیں: "مَنْ أَعْطٰی مِسْكِينًا دَرَاهِمَ وَسَمَّاهَا هِبَةً أَوْ قَرْضًا وَنَوَى الزَّكَاةَ فَإِنَّهَا تُجْزِيهِ وَهُوَ الْأَصَحُّ هٰكَذَا فِي "اَلْبَحْرِ الرَّائِقِ"۔ ناقلاً عن المبتغی والقنیة۔

ترجمہ: ''اور جو شخص زکوٰۃ کے مستحق مسکین کو کچھ درہم (زکوٰۃ کی مد میں) یہ کہہ کر دے کہ یہ ہبہ یا قرضہ ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرلے، تو یہ عمل ادائے زکوٰۃ کے لئے کافی ہے اور یہی قول صحیح ترین ہے ''البحرالرائق'' میں ''المبتغی'' اور ''القنیہ'' سے اسی طرح منقول ہے، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 171، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)''۔

ادھار کی رقم سے زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال: میں نے زکوٰۃ کے پیسے رکھے تھے، جو ایک صاحب کو جو انتہائی مجبور تھے، ادھار میں دیدیئے۔ سوال یہ پوچھنا ہے کہ کیا زکوٰۃ میں سے رقم بطور ادھار دی جاسکتی ہے اور آیا سال گزرنے کے بعد جب ادھار دی ہوئی رقم مل جائے، اس وقت زکوٰۃ دینے پر کوئی حرج تو نہیں ہے؟۔

جواب: اپنے مال میں سے زکوٰۃ کی رقم نکال کر اسے اپنے پاس الگ رکھنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ اسے مستحق تک پہنچانا اور اُسے اِس کا مالک بنانا ضروری ہے۔ کسی کو واپس وصول کرنے کی نیت سے قرض دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ آپ کے ذمے ہوگا۔ آپ پر لازم ہے کہ جتنی زکوٰۃ آپ پر عائد ہوتی ہے، اسے فوراً اپنے پاس موجود مال سے ادا کردیں، اُس قرض کی واپسی کا انتظار نہ کریں۔ اور اگر آپ نے گزشتہ کئی سالوں سے اس رقم کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، تو مقدارِ واجب کو نکال کر بقیہ رقم اگر نصاب کی مقدار کو پہنچتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، مثلاً آپ کے پاس پانچ لاکھ روپے ہیں اور سال گزرنے پر ساڑھے بارہ ہزار روپے زکوٰۃ واجب ہوگئی اور اس سال آپ نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو آئندہ سال کی زکوٰۃ جب ادا کریں گے تو مقدارِ واجب یعنی ساڑھے بارہ ہزار کو چھوڑ کر بقیہ چار لاکھ ستاسی ہزار پانچ سو کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہوگی۔ صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ کی نیت سے اپنے کل رقم میں سے جو پیسے آپ نے علیحدہ کئے اور پھر وہ رقم آپ نے دوسرے کو بطورِ قرض دے دی، تو اب آپ آئندہ سال جب بھی زکوٰۃ ادا کریں گے تو گزشتہ سال آپ کی رقم پر جتنی زکوٰۃ واجب تھی اس مقدار واجب کو چھوڑ کر بقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اسپتال کے لئے زکوٰۃ کی رقم سے آلات طب کی خریداری

سوال: میرا ایک اسپتال ہے اس میں غرباء، مساکین کا مفت علاج کیا جاتا ہے، آنکھوں کے علاج و آپریشن کا

شعبہ بھی ہے۔غیر مستحق افراد سے مناسب فیس اور خرچہ لیا جاتا ہے اس آمدنی سے بھی غرباء ومساکین کے علاج میں رقم خرچ کی جاتی ہے۔اب ہم ہسپتال میں آلات ومشینری وغیرہ کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں خصوصاً شعبۂ امراضِ چشم میں۔سوال یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی رقم سے آلات ومشنری برائے ہسپتال خریدی جاسکتی ہیں؟۔

جواب: محتاط صورت تو یہ ہے کہ آلات ومشینری زکوٰۃ کی رقم سے لے کر کسی بھی مستحقِ زکوٰۃ کی ملک کر دی جائے اور وہ اسے آپ کے ہسپتال کو ہبہ کردے۔پھر اسے آپ مستحق زکوٰۃ مریضوں، نصف فیس یا مکمل فیس دینے والے یا غیر مستحق زکوٰۃ مریضوں کے لئے بھی بلا فیس استعمال کر سکتے ہیں اور کسی سے پوری فیس بھی چارج کر سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی رقم سے مقامی بچوں کے لئے تعلیم القرآن کا مدرسہ چلانا

سوال: میں اپنی سالانہ زکوٰۃ میں سے محلے کے دو مدرسے اس طرح چلاتا ہوں کہ محلے کے بچے پڑھنے کے لئے آتے ہیں، کوئی رہائشی یا مسافر طالب علم نہیں ہے۔لڑکوں کو معلم قاری صاحب اور لڑکیوں کو معلّمہ قاریہ صاحبہ پڑھاتی ہیں۔ان دونوں کا ماہانہ وظیفہ، مدرسے کے لئے ڈیسکیں، پنکھا اور دیگر اخراجات زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرتا ہوں، گزشتہ دو سال سے اسی مذکورہ بالا طرز پر یہ دو مدارس میں چلا رہا ہوں، کیا میری ادا کردہ زکوٰۃ درست ہے؟۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ قرآن مجید کی سورۃ التوبۃ :60 میں متعین فرمادیئے ہیں اور وہ آٹھ مدات ہیں: (1) فقراء (2) مساکین (3) عاملین زکوٰۃ (4) مؤلفۃ القلوب (5) جن کی گردن کسی بڑے مالی بار تلے دبی ہوئی ہو (6) جن پر کوئی بھاری تاوان آگیا ہو، جس سے گلوخلاصی کی کوئی سبیل نہ ہو (7) جو اپنے آپ کو ہمہ وقتی اللہ کے دین کے لئے وقف کر چکے ہوں اور معاشی تگ ودو کے لئے انہیں وقت میسر نہ ہو (8) جو مسافر کسی ایسے مقام پر گھر گئے ہوں کہ قوت لایموت دستیاب نہ ہو اور گھر سے رابطہ اور مالی معاونت کا حصول ممکن نہ ہو۔زکوٰۃ کا مال صرف اس پر صرف کیا جاسکتا ہے جو قرآن مجید میں بیان کردہ ان مدات میں سے کسی ایک کے تحت مستحق زکوٰۃ قرار پاتا ہو۔وہ مقامی شہری بچے جو مدارس یا مکاتب تعلیم القرآن میں حفظ وناظرہ کی تعلیم پا رہے ہوتے ہیں اور جن کے والدین اور کفیل خود زکوٰۃ وصدقات ادا کرتے ہیں، ان پر بلاواسطہ زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا درست نہیں ہے، بالواسطہ اس طرح کہ ان کے معلم ومدرس کو اس لئے براہِ راست زکوٰۃ کی رقم میں سے تنخواہ دی جائے کہ وہ ان

کے بچوں کو پڑھاتا ہے یعنی اجرت کی مد میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ہاں البتہ اگر ایسا کوئی مدرس فی نفسہٖ مستحق زکوٰۃ ہے تو اسے اجرت کے ماسوا زکوٰۃ دی جاسکتی ہے،عام ازیں کہ وہ بچوں کو پڑھائے یا نہ پڑھائے،اگر اسے زکوٰۃ غیر مشروط طور پر استحقاق کی بنا پر دی جارہی ہو اور وہ رضا کارانہ طور پر رضائے الٰہی کے لئے قرآن مجید کی تعلیم دے رہا ہو،اسے اس پر شرط یا لازم نہ قرار دیا گیا ہو تو درست ہے۔البتہ اگر زیرِ تعلیم بچے بھی ایسے لوگوں کے ہیں، جو نادار اور مستحقِ زکوٰۃ ہیں،تو ادارے کا سربراہ زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل بن کر کسی مستحق زکوٰۃ کو اس کا مالک بنا دے پھر وہ شخص مدرسے کے انتظامات کے لئے اپنے مکمل رضامندی سے وہ رقم ادارے کے سربراہ کے حوالے کردے،اب وہ رقم ادارے کے انتظامات پر اور معلمین کی تنخواہوں پر خرچ ہوسکتی ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے ڈائلیسس مشین کی خریداری

سوال : عرض یہ ہے کہ ہم ''عزیز طبہ فاؤنڈیشن'' کے زیرِ اہتمام فیڈرل ''بی'' ایریا میں ایک ڈائلیسس سینٹر چلا رہے ہیں جہاں پر ناکارہ گردے کے مریضوں کا ڈائلیسس کیا جاتا ہے اور اس سے زیادہ تر زکوٰۃ کے مستحق لوگوں کا ڈائلیسس کیا جاتا ہے۔جب کہ کچھ لوگ آدھے چارج یا پورے چارج دیتے ہیں انکا بھی ڈائلیسس کیا جاتا ہے۔

ہمیں کچھ صاحب ثروت حضرات زکوٰۃ کی مد سے ڈائلیسس کی مشین دینا چاہتے ہیں،ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ: 1۔کیا زکوٰۃ فنڈ سے ڈائلیسس مشین لی جائے یا نہیں؟۔

2۔اگر مشین لی جائے تو اس پر پورے یا آدھے چارج دینے والے مریضوں کا علاج کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟،اگر چارج دینے والوں کا علاج زکوٰۃ فنڈ سے لی ہوئی ڈائلیسس مشین سے نہیں کر سکتے تو برائے مہربانی شریعت اسلامیہ کے مطابق اسکا کوئی حل ہوسکتا ہے تاکہ عوام الناس کے فائدے کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے خریدی ہوئی ڈائلیسس مشین استعمال ہوسکے۔

جواب: محتاط صورت تو یہ ہے کہ ڈائلیسس مشین زکوٰۃ کی رقم سے لے کر کسی بھی مستحق کی ملک کردی جائے اور وہ اسے آپ کے ڈائلیسس سنٹر کو ہبہ کردے،پھر اسے آپ مستحق زکوٰۃ مریضوں،نصف فیس یا مکمل فیس دینے والے یا غیر مستحق زکوٰۃ مریضوں کے لئے بھی بلا فیس استعمال کر سکتے ہیں اور کسی سے پوری فیس بھی چارج کر سکتے ہیں۔

دوسری صورت بر سبیل تنزل یہ ہے کہ ائمہ احناف کے ہاں تو زکوۃ میں تملیک یعنی مستحق کو مالک بنانا شرط ہے لیکن اہلسنت کے دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آخری چار مصارف میں تملیک شرط نہیں ہے۔ ہمارے مفسرین احناف میں سے علامہ خفاجی، علامہ شیخ زادہ، علامہ ابوسعود اور علامہ محمود آلوسی نے فقراء، مساکین، عاملین اور مؤلفۃ القلوب کے لئے تو تملیک کی شرط کو برقرار رکھا ہے لیکن مکاتَب غلاموں کی آزادی، مقروض افراد یا کسی تاوان یا جرمانے میں پھنسے ہوئے افراد، مسافروں اور ان لوگوں کے لئے جو ہمہ وقت اللہ کے دین کے کسی کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں، جیسے مجاہدین فی سبیل اللہ یا دینی طلبہ، لیکن مستحق زکوۃ ہیں، ان کے لئے تملیک کو شرط لازم قرار نہیں دیا بلکہ ان کے مصالح پر خرچ کر سکتے ہیں، پس اگر ڈائلیسس مشینیں زکوۃ فنڈ سے خریدی جائیں تو پھر ان مشینوں سے صرف مستحقین ہی استفادہ کر سکیں گے۔

علامہ قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی حنفی متوفی 1069ھ سورۃ التوبۃ آیت نمبر 60، جس میں اللہ تعالیٰ نے مصارف زکوۃ کا بیان فرمایا ہے، اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: پہلے چار مصارف کے ساتھ ''لام'' اور آخری چار مصارف کے ساتھ ''فی'' ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف میں ان کو زکوۃ سے ان کا حصہ ادا کر کے ان کو ان حصوں کا مالک بنا دیا جائے۔ اور آخری چار مصارف میں ان کو زکوۃ میں سے ان کے حصے کا مالک نہیں بنایا جائے گا، بلکہ ان کا حصہ ان کی فلاح اور ان کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، مکاتَب کا مال اس کے مالک کو دیا جائے گا اور مقروض کا مال (اس کے حصے کی زکوۃ) اس کے قرض خواہ کو دیا جائے گا، اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنا بالکل واضح ہے، (عنایت القاضی جلد 4 ص: 558، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

چونکہ گردے کی بیماری ایک خطرناک مہلک بیماری ہے، جو جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے، مریض کی بقاءِ حیات کے لئے ڈائلیسس طبی طور پر ناگزیر ہے، اس لئے ہم نے اس میں دوسرے ائمہ کے قول کو اس اصول کی بنیاد پر اختیار کیا ہے کہ: ''ضرورت ممنوعات کو بھی مباح کر دیتی ہے''۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ اصول بھی پیش نظر رہے کہ: ''ضرورت کی بناء پر دی جانے والی رخصت یا جواز کو اس کے دائرے میں محدود رکھنا چاہئے''۔ ہم نے اس مسئلے میں بعض حنفی مفسرین کے بیان کردہ یُسر (آسانی) والے قول کو نقل کیا ہے، لیکن فقہ حنفی کا مسلمہ اور مختار مسلک یہی ہے کہ زکوۃ میں تملیک شرط ہے، لہٰذا ہماری بیان کردہ اس رخصت کو دوسرے مقامات یا مواقع کے لئے استعمال نہ کیا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ زکوٰۃ

سوال: میری مالی حالت صحیح نہیں ہے اور گھر میں کوئی زیور وغیرہ بھی نہیں ہے اور میں 30,000/ روپے کا مقروض ہوں۔ میری بچی ایک ادارے میں قرآن پاک حفظ کر رہی ہے، اور اس ادارے کی ماہانہ فیس ایک ہزار روپے ہے، جو کہ مجھے ادا کرنا ہوتی ہے، لہٰذا کیا میں زکوٰۃ لے سکتا ہوں یا نہیں؟۔

جواب: اگر آپ کا بیان درست ہے اور آپ کے پاس ضروریاتِ زندگی کے علاوہ 612.36 گرام چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر بھی رقم فاضل نہیں ہے، تو آپ مستحقِ زکوٰۃ ہیں اور آپ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔

مقدارِ نصاب پر زکوٰۃ بہر صورت واجب ہے

سوال: میری شادی کو اس ماہ 15 سال ہو جائیں گے لیکن میں نے آج تک اپنے زیور کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے میرے پاس دونوں طرف سے ملا کر 35 تا 40 تولے سونا ہے۔ شروع میں ہمارے حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم زکوٰۃ ادا کرتے، میرے شوہر کی اُس وقت ساڑھے تین ہزار روپے تنخواہ تھی۔ میں نے اپنے شوہر سے دو، تین بار کہا کہ آپ ہر ماہ مجھے (جتنی سہولت ہو) زکوٰۃ کے نام کے پیسے دے دیا کریں، سال کے آخر میں جتنی کمی ہوگی ہم کوئی زیور بیچ کر ادا کر دیں گے لیکن وہ نہیں مانتے۔ ان کے والدین بھی ساتھ ہی تھے لیکن والد اچھا کماتے تھے۔ دس سال تک ہمارے حالات ٹھیک نہیں رہے، گزشتہ 5 سالوں سے اللہ کا بہت کرم ہے اس کا شکر ہے کہ حالات بہتر ہیں، لیکن میرے شوہر کہتے ہیں کہ میں گزشتہ 10 سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کروں گا، وہ مجھ پر فرض نہیں ہے، نہ میرا جیب خرچ دیتے ہیں، نہ ہی میرا کوئی ذریعہء آمدنی ہے، میں کہاں سے زکوٰۃ ادا کروں، اگر ہر سال زیور بیچتی رہی تو بچیوں کیلئے کیا رکھوں گی۔ برائے مہربانی شرعاً بتائیں کہ میرے اور میرے شوہر کے لئے کیا حکم ہے؟۔

جواب: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

ترجمہ: ''(اے حبیب ﷺ!) آپ مؤمنوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) لیجیے تاکہ اس کے ذریعے آپ ان کے ظاہر و باطن کو پاک و صاف کریں''، (التوبہ:103)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی مال ہی میں سے ہوگی، اگر نقد رقم موجود نہ ہو تو سونے، چاندی ہی میں

سے زکوۃ ادا کی جائے گی۔حدیث مبارک ہے: عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، وَمَعَهَا اِبْنَةٌ لَهَا، وَفِيْ يَدِ اِبْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: أَتُعْطِيْنَ زَكَاةَ هٰذَا؟، قَالَتْ: لَا ،قَالَ: "اَيَسُرُّكِ اَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟، قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ

ترجمہ:''عمرو بن شعیب اپنے والد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کیا تم ان کنگنوں کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے عرض کی ''نہیں''، حضور ﷺ نے فرمایا''تو کیا تم اس بات پر خوش ہوگی کہ اللہ تعالیٰ (زکوۃ نہ دینے کی بناء پر) ان کنگنوں کے عوض قیامت کے دن تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ یہ (وعیدِ عذاب) سنتے ہی اس نے وہ کنگن اتار کر رسول اللہ ﷺ کو دے دیئے اور عرض کی کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں (یعنی یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ ہیں)''۔

(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:1558)

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:''زکوۃ کی ادائیگی سے مال بڑھتا ہے، یہ خیال کہ زکوۃ کی ادائیگی سے مال گھٹتا ہے، نرا ضعفِ ایمان ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔ ترجمہ:''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے،(البقرہ :276)''۔

بعض درختوں میں کچھ اجزائے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہو جاتے ہیں کہ پیڑ کی اٹھان کو روک دیتے ہیں، احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہو جائے گا، پر عاقل ہوشمند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا، یہی حساب زکوتی مال کا ہے۔ حدیث میں حضور پرنور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:''مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ اَوْ مَالُ الزَّكٰوةِ مَالًا اِلَّا اَفْسَدَتْهُ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ الصِّدِّيْقَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا ۔ ترجمہ: زکوۃ کا مال جس مال میں ملا ہوگا اسے تباہ و برباد کردے گا اسے بزار اور بیہقی نے ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا''۔

(فتاوی رضویہ جلد 10 ص:172، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

جو مقدار سونے کی آپ نے بیان کی، آپ پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے، اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کا کوئی دوسرا ذریعہ آپ کے پاس نہیں تھا تو آپ اسی سونے میں سے چالیسواں حصہ (1/40 یا 2.5 فیصد) زکوٰۃ ادا کرتی رہتیں۔ قرآن کے صریح حکم کا مطلب یہ ہے کہ جو مال (سونے، چاندی، نقد یا مالِ تجارت کی صورت میں) آپ کے پاس ہے، ہر اسلامی قمری سال کے اختتام پر اس میں سے زکوٰۃ ادا کریں، یعنی اس سونے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دیں، نقد رقم کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں ہے، نقد رقم کی صورت میں ادائیگی تو ہم اپنی سہولت کیلئے کرتے ہیں، کیونکہ ہم سونے یا زیور کو اسی شکل میں باقی رکھنا چاہتے ہیں، لہٰذا گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بدستور آپ پر واجب الادا ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اگر آپ کے پاس اور کوئی نقد رقم ان برسوں میں فاضل نہیں بچی تو آپ زکوٰۃ کا حساب اس طرح کریں گے کہ مثلاً سونا 100 گرام ہے تو سال اول کے اختتام پر 2.5 گرام زکوٰۃ لازم ہوگئی، اب اگلے سال 97.5 گرام کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ہے، اسی طرح سے سال بہ سال کا حساب ہوگا۔ بچیوں کیلئے زکوٰۃ روک کر بچانا آپ پر شرعاً لازم نہیں ہے، اگر سونے کی ملکیت آپ کے نام ہے، تو زکوٰۃ بھی آپ کے ذمہ ہے، شوہر پر لازم نہیں، وہ اس سلسلہ میں آپ سے تعاون کریں تو ان کی مہربانی ہے، اور خوشگوار عائلی زندگی کا مدار باہمی مروت اور فضل و احسان پر ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا برتاؤ کریں اور جن بچیوں کیلئے آپ سونا بچا کر رکھنا چاہتی ہیں، وہ ان کی بھی اولاد ہے، لیکن جس سونے کی زکوٰۃ دنیا میں ادا نہ کی گئی ہو تو اس کے بارے میں قرآن و حدیث میں سخت وعید ہے کہ اسے آگ میں گرم کر کے اس سے داغا جائے گا۔

زکوٰۃ کے مصارف اور اُن میں خرد بُرد

سوال: 1۔ ہماری برادری کے مُخیّر حضرات ہر سال رمضان المبارک میں لاکھوں روپے (زکوٰۃ و صدقات) نادار گھرانوں کی کفالت کے لئے انجمن کے عہدیداروں کو امین بناتے ہیں، پھر چرمِ قربانی کی مد میں لاکھوں روپے کی رقم جمع ہوتی ہے۔ عہدیداران رمضان المبارک تا عیدِ قرباں منظرِ عام پر رہ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ جمع شدہ زکوٰۃ کی رقم سال بھر خرچ نہیں کرتے، ضرورت مند افراد ایک ایک پیسے کو ترستے ہیں، چرمِ قربانی کی آمدنی پانچ سالوں سے بینک میں سیونگ اکاؤنٹ میں جمع ہے۔ جسے ضرورت کے باوجود خرچ نہیں کیا جا رہا۔ مفتی صاحب! مسلک اہلسنت کی روشنی میں قرآن کیا کہتا ہے؟۔

سوال: 2۔ انجمن کے تحت چلنے والا میڈیکل سینٹر جو 24 گھنٹے دکھی انسانیت کی خدمت انجام دے رہا ہے،

کے فنڈ منجمد کر دیئے گئے ہیں۔ایک مرحومہ کے لواحقین نے میڈیکل سینٹر کی توسیع کے لئے لاکھوں روپے عطیہ کئے۔اُس کے اثاثے میڈیکل سینٹر کے کام تو نہ آئے،عہدیدار اس سے اپنی ضرورتیں پوری کر رہے ہیں۔مفتی صاحب!ایسے لوگوں کے لئے قرآن کیا کہہ رہا ہے؟۔

جواب: کمیونٹیز یا انجمنوں کے ذمہ داران زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اہلِ ثروت حضرات کے صرف وکیل ہوتے ہیں،اگر وہ اس ذمہ داری کو شرعی احکام کے مطابق ادا نہیں کریں گے تو عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔زکوٰۃ جب تک مستحق تک نہیں پہنچے گی،محض کمیونٹیز یا برادریوں کے فنڈ/اکاؤنٹ میں جمع ہونے سے ادا نہیں ہوگی،نیز فطرہ وزکوٰۃ کی رقوم جب تک الگ مَد میں رکھ کر تملیک (کسی کو مال کا مالک بنانا) کے شرعی اصول کے مطابق مستحق افراد کو ادا نہیں کی جائے،ادا نہیں ہوگی۔مذکورہ صورت میں ذمہ داران صرف امین ہیں اور اُس رقم کو صحیح طور پر خرچ نہ کرنا یا غبن کرنا،خیانت کے زمرے میں آئے گا، امانت میں قصداً خیانت سے متعلق قرآنِ مجید میں آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ بکثرت موجود ہیں اور اُخروی عذاب کی وعیدیں بھی ہیں۔مذکورہ ذمہ داران پر اس رقم کا تاوان دینا لازم ہے اور زکوٰۃ دینے والوں پر اپنی زکوٰۃ کی دوبارہ ادائیگی لازم ہے۔امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز ایک حدیث کا حوالہ درج فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:ماخالطت الصدقة او مال الزکوٰة مالاً الّا افسدتهٗ رواہ البزار والبیھقی عن ام المومنین الصدیقه رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا۔

ترجمہ:''زکوٰۃ کا مال جس مال میں ملا ہوگا،اُسے تباہ وبرباد کر دے گا،اس حدیث کو بزار اور بیہقی نے ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا،(فتاویٰ رضویہ،جلد 10،ص:172،مطبوعہ:رضا فاؤنڈیشن،لاہور)''۔

اسی حدیث کی شرح میں علامہ امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:''بعض ائمہ نے اس حدیث کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ زکوٰۃ واجب ہوئی اور ادا نہ کی اور اپنے مال میں ملائے رہا تو یہ حرام اُس حلال کو ہلاک کر دے گا اور امام احمد نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ مال دار شخص مالِ زکوٰۃ لے تو یہ مالِ زکوٰۃ اس کے مال کو ہلاک کر دے گا کہ زکوٰۃ فقیروں کے لئے ہے اور دونوں معنی صحیح ہیں،(بہارِ شریعت،جلد اوّل،ص:357)''۔

ہلاکت کے دو معنی ہیں:ایک یہ کہ وہ مال ہلاک ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ زکوٰۃ کے اختلاط سے اس مال میں برکت نہیں رہے گی۔

ایسے اراکین جوزکوۃ وفطرہ کی رقم مستحقین تک نہیں پہنچاتے اُس میں غبن کرتے ہیں، برادری/انجمن کے ذمہ داران کو چاہئے کہ اُنہیں فوری طور پر معزول کردیں، اسی طرح مرحومہ کے لواحقین نے جو رقم میڈیکل سینٹر کے لئے دی، وہ محض اُسی کام کے لئے وقف تھی، اُسے کسی دوسرے مصرف یا ذاتی مصارف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

زکوٰۃ اور کمیونٹی فنڈز

سوال: ہماری انجمن برادری کی نمائندہ سماجی وفلاحی رجسٹرڈ تنظیم ہے، برادری فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی کے علاوہ غریب ونادار، یتیم ومسکین طلباء وطالبات، بیواؤں، جہیز کی حق دار بچیوں اور دیگر ضرورت مند افراد کی زکوٰۃ فنڈ سے مدد کرتی ہے۔ جس کے لئے صاحبِ حیثیت افراد سے زکوٰۃ کی رقم جمع کی جاتی ہے۔ انجمن کے تحت شہرِ کراچی واندرونِ سندھ فری ڈسپنسری، سلائی سینٹر، ناظرہ قرآن کی تعلیم کے سینٹر، ٹیوشن سینٹر وغیرہ بھی چلائے جاتے ہیں۔ کیا ہم زکوٰۃ فنڈ سے ملازمین کی تنخواہیں، دفتری اخراجات اور دیگر ضروریات کی مد میں استعمال کرسکتے ہیں؟۔

(۲) انجمن کے حلقہ جات میں سماجی اداروں کے لئے عمارتیں تعمیر ہورہی ہیں، جن میں ڈسپنسری، سلائی سینٹرز وغیرہ۔ کیا ہم زکوٰۃ فنڈ سے ان اداروں کی تعمیر کرسکتے ہیں؟۔

جواب: بعض کمیونیٹیز، برادریوں، مخصوص خاندانی یا علاقائی وحدت کے لوگوں نے اپنی کمیونیٹی یا برادری کے افراد کے لئے فنڈ قائم کر رکھے ہیں، جس میں زکوٰۃ وفطرہ کی رقوم وصول کی جاتی ہیں۔ عمومی طور پر ان رقوم کے خرچ کرتے وقت شرعی معیار کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اول تو زکوٰۃ کی رقم محض برادری کے فنڈ میں جمع ہونے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی تاوقتیکہ مستحقِ زکوٰۃ تک نہ پہنچادی جائے۔ دوسرا یہ کہ زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم جب تک الگ مد میں رکھ کر تملیک کے شرعی اصول کے مطابق مستحق افراد کو نہیں دی جائے گی، ادا نہیں ہوگی۔ انجمنوں (Associations) کے ذمہ داران زکوٰۃ کا مال صَرف کرنے کے لئے اہلِ ثروت کے وکیل ہوتے ہیں اور اگر وہ اس ذمہ داری کو شرعی احکام کے مطابق ادا نہیں کریں گے، تو عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔ رفاہی ادارے جو مریضوں کے علاج کے لئے زکوٰۃ کی رقم جمع کرتے ہیں، وہ اگر حدودِ شرع میں رہ کر زکوٰۃ خرچ کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی چند صورتیں یہ ہیں: (۱) جو دوا نادار مستحقِ زکوٰۃ کی مِلک میں دے دی جائے گی، وہ

جائز ہے (۲) ڈاکٹر کی فیس، بیڈ کے کرائے، ایکسرے، میڈیکل ٹیسٹ وغیرہ پر جو خرچ آئے، وہ مریض خود ادا کرے اور استحقاق کے تعین کے بعد شعبۂ زکوٰۃ سے مریض کو ان مصارف کے عوض کل یا گنجائش کے تناسب سے جتنی رقم دی جاسکتی ہے، دے دی جائے (۳) زکوٰۃ وفطرہ یعنی صدقاتِ واجبہ کی رقم صرف مستحق مریضوں کو دی جائے، غیر مسلم نادار مریضوں کے لئے الگ سے ''ویلفیئر فنڈ'' قائم کیا جائے جو عطیات پر مشتمل ہو، یہ نفلی خیرات، صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ کے زمرے میں آئے گا، جسے (General Charity) کہتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ نفلی صدقہ وخیرات اور عطیات پر مشتمل ایک رفاہی فنڈ (Welfare Fund) قائم کریں، جس سے ضرورت مندوں کو علاج معالجے کی سہولیات دیں اور اُسی رقم سے ڈسپنسری کے اخراجات اور انجمن کے کارکنان کی تنخواہیں ادا کریں۔

زکوٰۃ کی رقم تعمیرات کی مد میں استعمال نہیں کی جاسکتی، علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَلَا یَجُوْزُ أَنْ یُّبْنٰی بِالزَّکَاۃِ الْمَسْجِدُ وَکَذَا الْقَنَاطِرُ وَالسِّقَایَاتُ وَاِصْلَاحُ الطُّرُقَاتِ وَکَرْیُ الْاَنْھَارِ وَالْحَجِّ وَالْجِھَادِ وَکُلُّ مَا لَاتَمْلِیْکَ فِیْہِ۔

ترجمہ: ''اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر جائز نہیں اور اسی طرح پلوں کی تعمیر، کنوؤں کی کھدائی، راستوں کی درستگی، نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد کے لئے (زکوٰۃ کی رقم کا براہِ راست استعمال) جائز نہیں ہے، (اسی طرح) ہر اُس کام کے لئے جس میں تملیک نہیں پائی جاتی (زکوٰۃ کی رقم کا استعمال) جائز نہیں ہے، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1 ،ص:188 ،مکتبۂ رشیدیہ، کوئٹہ)''۔ سوال میں مذکور اداروں کی تعمیری مصارف میں بھی زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی کہ وہاں بھی تملیک موجود نہیں ہے۔

زکوٰۃ فنڈ سے پگڑی پر مکان لینے کے لئے مدد کرنا

سوال: ہماری جماعت کا ایک فلاحی ادارہ ہے، جس کے تحت ہمارے غریب اور مستحق اراکین کی فلاح وبہبود کا کام کرتا ہے۔ اس ضمن میں ہمارے مُخیر حضرات غریب اور مستحق اراکین کی رہائش کے لئے زکوٰۃ کی مد میں عطیہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے علاقے میں چونکہ رہائشی فلیٹ تقریباً پگڑی پر ملتے ہیں، غریب مستحق افراد خود ہی ایسے مکان ڈھونڈ لیتے ہیں اور جماعت میں درخواست دے دیتے ہیں۔ ہمارے مُخیر حضرات یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ ایسے غریب اور ضرورت مند اراکین کے لئے ہماری جماعت کو زکوٰۃ فنڈ دے کر پگڑی کا مکان

رہائش کے لئے دلوانے میں مدد کر سکتے ہیں اور اس طرح ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟۔

جواب: فقہاءِ کرام کا پگڑی سسٹم کے تحت دکان یا مکان کی بیع کرنے میں اختلاف ہے بعض فقہاء جیسے مفتی وقار الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بیع کو حرام لکھا ہے۔ اور اس سسٹم کے تحت جائیداد لینے یا دینے سے کرایہ دار مالک نہیں بنتا بلکہ اصل مالک کی ملکیت برقرار رہتی ہے (ترکہ ان چیزوں میں تقسیم ہوتا ہے جو مرنے والے کی ملکیت میں ہوں)، پگڑی میں لیا ہوا مکان یا دکان ملکیت میں نہیں ہوتا، کرایہ پر ہوتا ہے۔ جبکہ فقیہ اعظم مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے پگڑی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ فی زمانہ حقوق کی بیع کا رواج عام ہے، کما لا یخفی علی من یعرف عرف زمانہ اور پگڑی سسٹم میں بھی قبضے کا حق فروخت کیا جاتا ہے اور ملکیت اصل مالک کی رہتی ہے، جس کا قبضے کا حق خریدنے والا کرایہ ادا کرتا ہے، اس لئے عرفِ عام کی وجہ سے اس کے جواز کا قول ہی مناسب ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک (مالک بنانا) شرط ہے یعنی جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے، اُسے اُس مال پر تصرُّف کا مکمل اختیار حاصل ہونا چاہئے، لہٰذا مستحقِ زکوٰۃ شخص کو پگڑی سسٹم میں مکان یا فلیٹ لینے کے لئے امداد دینا جائز ہے۔

پینشن بینیفٹ اکاؤنٹ کی رقم پر زکوٰۃ

سوال: میں ایک 84 سالہ پنشنر ہوں۔ ریٹائرمنٹ پر مجھے جو رقم ملی تھی، اسے میں نے پینشن بینیفٹ اکاؤنٹ میں جمع کر دیا تھا جس پر مجھے ماہانہ کچھ رقم ملتی ہے، پینشن اور اس رقم سے میری گزر اوقات ہوتی ہے۔ کیا پی بی اے اکاؤنٹ میں جمع شدہ اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے؟۔

جواب: اگر اس رقم کی اصل مالیت 612.36 گرام سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی کی موجودہ بازاری قیمت کے برابر ہے اور اس پر سال گزر چکا ہے، تو سال کے اختتام پر ڈھائی فیصد کی شرح سے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن آپ پر لازم ہے کہ سودی کھاتے سے اپنی رقم نکلوا لیں تاکہ سود لینے کے گناہ سے بچ سکیں اور کسی اسلامی بینک مضاربہ اکاؤنٹ میں اپنی رقم جمع کروادیں، اُس سے ملنے والا نفع آپ کے لئے جائز ہوگا۔

☆☆☆☆☆

صدقۂ فطر

احادیثِ مبارکہ:

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ، صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ، عَلَی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَأَمَرَ بِھَا أَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلَاۃِ۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدالفطر کی زکوٰۃ (صدقۂ فطر) ایک صاع (تقریباً چار کلوگرام) کھجوریں یا ایک صاع (تقریباً چار کلوگرام) جو (مسلمانوں میں سے) ہر غلام وآزاد، ہر مرد وعورت اور ہر چھوٹے، بڑے پر فرض کی ہے (اور آپ نے یہ حکم دیا کہ) لوگوں کے نمازِ عید کے لئے جانے سے پہلے اس کو ادا کر دیا جائے''۔

(صحیح بخاری: 1503، سُنن ابوداؤد: 1607، سُنن ترمذی: 676)

(۲) عَنْ عِیَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَعْدِ بْنِ سَرْحٍ الْعَامِرِیِّ: أَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ: کُنَّا نُخْرِجُ زَکَاۃَ الْفِطْرِ، صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ أَوْ صَاعاً مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعاً مِّنْ أَقِطٍ أَوْ صَاعاً مِّنْ زَبِیْبٍ۔

ترجمہ: ''عیاض بن عبداللہ بن سعد بن سرح العامری نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ہم صدقۂ فطر چار کلوگرام گندم دیتے تھے یا چار کلوگرام جو یا چار کلوگرام پنیر یا چار کلوگرام کشمش دیتے تھے، (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1506)''۔

(۳) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: اَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ بِزَکَاۃِ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعاً مِّنْ شَعِیْرٍ۔ قَالَ: عَبْدُ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَجَعَلَ النَّاسُ عِدْلَہٗ مُدَّیْنِ مِنْ حِنْطَۃٍ۔

ترجمہ: ''نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر چار کلوگرام کھجوریں یا اسی مقدار میں جو دینے کا حکم دیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: پس لوگ (تقریباً) دو کلوگرام گندم کو اس کے برابر قرار دینے لگے''۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1507)

شریعتِ مُطہرہ میں چار اجناس میں صدقۂ فطر کا نصاب مقرر فرمایا ہے، اِس کے علاوہ جتنی اشیاء ہوں، چاول، دھان یا کپڑا وغیرہ، وہ اِنہی میں کسی ایک کی قیمت کے اعتبار سے مُقرر کیا جائے گا۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: وَاِنَّمَا تَجِبُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ مِنْ أَرْبَعَةِ اَشْيَاءَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ كَذَافِيْ خِزَانَةِ الْمُفْتِيْنَ وَشَرْحِ الطَّحَاوِيِّ۔

ترجمہ: ''صدقۂ فطر چار اشیاء میں واجب ہے، جن میں گندم، جَو، کھجور اور کشمش ہیں، جیسا کہ ''خزانۃ المفتین'' اور ''شرح الطحاوی'' میں ہے، (فتاویٰ عالمگیری، جلد1، ص: 191)''۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: ''جس طرح قربانی کے جانوروں میں تنوُّع ہے اور ان کی کئی اقسام ہیں، اِسی طرح صدقۂ فطر میں بھی تنوُّع ہے اور اِس کی کئی اقسام ہیں اور جو لوگ جس حیثیت کے مالک ہیں، وہ اُسی حیثیت سے صدقۂ فطر ادا کریں، مثلاً جو کروڑ پتی لوگ ہیں، وہ چار کلو پنیر (Cheese) کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کریں، جو لوگ لکھ پتی ہیں، وہ چار کلو کشمش کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کریں اور جو ہزاروں روپوں کی آمدنی والے ہیں، وہ چار کلوگرام کھجور کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کریں اور جو سینکڑوں کی آمدنی والے ہیں، وہ دو کلو گندم کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کریں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کروڑ پتی ہوں یا سینکڑوں کی آمدنی والے ہوں، سب دو کلو گندم کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرتے ہیں اور ''تنوُّع'' پر عمل نہیں کرتے، جبکہ قربانی کے جانوروں میں لوگ ''تنوُّع'' پر عمل کرتے ہیں اور کروڑ پتی لوگ کئی کئی لاکھ کے بیل خرید کر اور مُتعدد قیمتی اور مہنگے دنبے اور بکرے خرید کر ان کی قربانی کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم اپنا جائزہ لیں، کہیں اس کی یہ وجہ تو نہیں ہے کہ قربانی کے مہنگے اور قیمتی جانور خرید کر انہیں اپنی شان و شوکت اور امارت دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ ہم بڑے فخر سے وہ قیمتی جانور اپنے عزیزوں کو دکھاتے ہیں اور نمود و نمائش کرتے ہیں اور صدقۂ فطر کسی غریب آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیا جاتا ہے، اِس میں دکھانے اور سنانے اور اپنی امارت جتانے کے مواقع نہیں ہیں، اِس لئے کروڑ پتی سے لے کر عام آدمی تک سب دو کلو گندم کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرتے ہیں۔ سوچئے! ہم کیا کر رہے ہیں؟، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہ ساری قربانیاں ریاکاری قرار دے کر ہمارے منہ پر ماردی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کی مُتعدد قسمیں اس لئے کی ہیں کہ ہر طبقہ کے لوگ اپنی حیثیت کے لحاظ سے قربانی کا تعین کریں۔ اسی طرح آپ نے صدقۂ فطر کی متعدد اقسام بھی اس لئے کی ہیں کہ

ہر طبقہ کے لوگ اپنی حیثیت کے لحاظ سے صدقۂ فطر ادا کریں، سوجس طرح ہم اپنی حیثیت کے لحاظ سے قربانی کے جانوروں کا تعین کرتے ہیں، اس طرح ہمیں اپنی حیثیت کے لحاظ سے صدقۂ فطر کی قسم کا تعین بھی کرنا چاہئے اور تمام طبقات کے لوگوں کو صرف دو کلو گندم کے حساب سے صدقۂ فطر پر نہیں ٹرخانا چاہئے''۔

(نعمۃ الباری شرح صحیح البخاری، جلد 3 ص: 764)

صدقۂ فطر کی مقدار:

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَهِيَ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعٌ مِنْ شَعِيرٍ أَوْ تَمْرٍ وَدَقِيقُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَسَوِيقُهُمَا مِثْلُهُمَا وَالْخُبْزُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِاعْتِبَارِ الْقِيمَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ۔

ترجمہ: ''وہ (صدقۂ فطر کی مقدار) گیہوں میں نصف صاع ہے اور جو اور کھجور میں ایک صاع ہے اور گندم اور جو کا آٹا اور ان دونوں چیزوں کا ستو انہی (یعنی گندم اور جو) کی مثل ہے اور روٹی میں قیمت کا ہی اعتبار ہوگا اور یہی صحیح ترین ہے''۔

(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1 ص: 191)

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكوٰةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ، مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کی لغو باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے پاکیزگی اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے زکوٰۃ فطر کو فرض فرمایا اور جس نے اس کو عید کی نماز سے پہلے ادا کر دیا تو یہ زکوٰۃ مقبولہ ہے اور جس نے اس کو نماز کے بعد ادا کیا تو یہ صدقات میں سے ایک صدقہ ہے''۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: 1605)

(۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ بِإِخْرَاجِ الزَّكَاةِ قَبْلَ الْغُدُوِّ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن نمازِ عید کے

لئے نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے''۔

(سُنن ترمذی، رقم الحدیث: 677)

امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں: اہلِ علم نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ نمازِ عید کے لئے نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔

(۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُنَادِياً فِي فِجَاجِ مَكَّةَ أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ: مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ، أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ۔

ترجمہ: ''عمرو بن شعیب اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا کہ مکہ کے گلی کوچوں میں اعلان کردے کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد، عورت، آزاد، غلام، چھوٹے اور بڑے پر دو مُدّ (دو کلو) گندم یا ایک صاع (چار کلو) کھانا ہے''۔

(سُنن ترمذی، رقم الحدیث: 674)

حدیث میں صدقۂ فطر کے لئے فرض کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی فرضیت باوجود حدیث وسنّت سے ثابت ہے، اسے فرض عملی بھی کہتے ہیں۔ حدیث پاک کی رو سے ہر صاحبِ نصاب مسلمان مرد، عورت پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ اس کی حکمت حدیثِ پاک میں یہ بیان کی گئی ہے کہ عبادتِ صوم میں جو ہم سے کوتاہیاں (مثلاً بے مقصد اور بے ہودہ باتیں کرنا وغیرہ) رہ جاتی ہیں، اس سے ان کی تلافی ہو جاتی ہے اور روزے کی عبادت کو پاکیزگی عطا ہوتی ہے اور مساکین کی کفالت بھی ہو جاتی ہے۔ صدقۂ فطر عید الفطر کی نماز سے پہلے ادا کر دینا چاہئے۔ ابتداءِ رمضان اور رمضان المبارک کے دوران بھی ادا کر سکتے ہیں۔ ہر صاحبِ نصاب پر اس کی زیرِ کفالت نابالغ و مجنون افراد کا صدقۂ فطر ادا کرنا بھی واجب ہے، اس کی مقدار ایک صاع (یعنی تقریباً چار کلو) کھجور یا جو یا پنیر یا کشمش یا نصف صاع (دو کلو) گندم یا ان کی موجودہ بازاری قیمت ہے۔ ایک حدیثِ مبارک میں ایک صاع (تقریباً چار کلو) گندم کی بھی روایت ہے۔ فطرے کی مالیت کے تعین کے لئے خالص چیز کی قیمت دینی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ۔

ترجمہ:"اور (اللہ کی راہ میں) ایسی گھٹیا چیز دینے کا ارادہ نہ کرو، جس کو تم خود (کبھی) قبول نہ کرو، سوائے اس کے کہ تم چشم پوشی سے کام لو، (البقرۃ:267)۔

(۲) لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔

ترجمہ:"تم ہرگز نیکی (کے کامل درجے) کو نہ پا سکو گے تاوقتیکہ تم (اللہ کی راہ میں) وہ مال خرچ کرو جو تمہیں محبوب ہو"۔ (آل عمران:92)

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے:

علامہ برہان الدین ابوبکر المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: قَالَ: صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ، فَاضِلاً عَنْ مَسْكَنِهٖ وَثِيَابِهٖ وَأَثَاثِهٖ، وَفَرَسِهٖ، وَسِلَاحِهٖ، وَعَبِيْدِهٖ۔

ترجمہ:"(صاحبِ قدوری نے) فرمایا: صدقۂ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جبکہ وہ مقدارِ نصاب کا مالک ہو، جو رہائشی مکان، کپڑے، گھریلو سامان، گھوڑے (سواری)، ہتھیار اور خدمت کرنے والے غلاموں سے فاضل ہو"۔۔۔ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: وَلَا يُشْتَرَطُ فِيْهِ النُّمُوُّ، وَيَتَعَلَّقُ بِهٰذَا النِّصَابِ حِرْمَانُ الصَّدَقَةِ وَوُجُوْبُ الْأُضْحِيَّةِ وَالْفِطْرِ۔

ترجمہ:"اِس نصاب میں نُمو (بڑھنا) شرط نہیں ہے (جو کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے میں شرط قرار دیا گیا ہے) اور اِس نصاب کے سبب صدقہ لینے سے محروم ہونے اور قربانی کے واجب ہونے اور صدقۂ فطر کے واجب ہونے کے احکام متعلق ہوتے ہیں"۔ (ہدایہ، جلد2، ص:81-80)

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی لکھتے ہیں: "صدقۂ فطر شخص پر واجب ہے، مال پر نہیں، لہٰذا اگر ادا کئے بغیر مر گیا، تو اُس کے مال میں سے ادا نہیں کیا جائے گا۔ ہاں! اگر ورثاء احسان کے طور پر اپنی طرف سے ادا کریں، تو ہو سکتا ہے، مگر ان پر کوئی جبر نہیں ہے۔ اور اگر وفات پانے والا شخص وصیت کر کے گیا ہے، تو اس کے تہائی ترکے سے ضرور ادا کیا جائے گا، اگرچہ ورثاء اجازت نہ دیں، (بہارِ شریعت بحوالہ الجوہرۃ النیرۃ)"۔

اپنی اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے:

صاحبِ نصاب شخص پر اپنی اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

علامہ برہان الدین ابوبکر المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: قَالَ: يُخْرِجُ ذَالِكَ عَنْ نَفْسِهِ، لِحَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: "فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى"۔ وَيُخْرِجُ عَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ،

ترجمہ: "(صاحبِ قدوری نے) فرمایا: صدقۂ فطر اپنی طرف سے ادا کرے کیونکہ" ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد و عورت پر زکوٰۃ فطر فرض کی ہے"۔ اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرے، (ہدایہ، جلد 2، ص: 81)"۔

مرد پر بیوی اور بالغ اولاد کا صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہے:

علامہ برہان الدین ابوبکر المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وَلَا يُؤَدِّيْ عَنْ زَوْجَتِهِ، لِقُصُوْرِ الْوِلَايَةِ وَالْمُؤْنَةِ فَإِنَّهُ لَايَلِيْهَا فِيْ غَيْرِ حُقُوْقِ النِّكَاحِ وَلَا يَمُوْنُهَا فِيْ غَيْرِ الرَّوَاتِبِ كَالْمُدَاوَاةِ، وَلَا عَنْ أَوْلَادِهِ الْكِبَارِ، وَإِنْ كَانُوْا فِيْ عِيَالِهِ، لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ وَلَوْ أَدّٰى عَنْهُمْ أَوْعَنْ زَوْجَتِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِمْ اَجْزَاهُمْ اِسْتِحْسَاناً لِثُبُوْتِ الْإِذْنِ عَادَةً۔

ترجمہ: " اور مالکِ نصاب پر اپنی بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں، کیونکہ ولایت اور مؤنت (خرچ برداشت کرنا) دونوں ناقص ہیں، اِس لئے کہ شوہر حقوقِ نکاح کے علاوہ میں اُس پر ولایت نہیں رکھتا اور شوہر ثابت شدہ امور کے علاوہ میں خرچ برداشت نہیں کرتا، جیسے علاج معالجہ کرانا۔ اور بالغ اولاد کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں، اگرچہ اُس کے عیال ہوں کیونکہ ولایت نہیں پائی جاتی اور اگر اُن کی طرف سے یا اپنی بیوی کی طرف سے اُن کی اجازت کے بغیر ادا کر دیا تو استحسانا اُن کی طرف سے ادا ہو گیا کیونکہ اجازت عادۃً ثابت ہے، (ہدایہ، جلد 2، ص: 82)"۔

فدیۂ صوم کی شرح بھی فطرے کے برابر ہے اور اس کی اصل روح ایک نادار کے لئے ایک دن کے دونوں اوقات کے طعام کا انتظام کرنا ہے۔ فطرے اور فدیے کی اصل روح ایک مسکین کا ایک دن (دو وقت) کا طعام ہے، جو ہوٹل سے 100 روپے یومیہ سے کم میں ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا جن خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی نعمت سے نوازا ہے، وہ اپنے معیارِ زندگی کے مطابق فطرہ، فدیہ اور کفارہ ادا کریں تاکہ مساکین و مستحقین کی اشک شوئی ہو سکے، کیونکہ ہم ہوش رُبا گرانی کے دور سے گزر رہے ہیں اور ہر چیز کے نرخ نادار لوگوں کی قوت

خرید سے باہر ہیں۔
اہلِ ثروت کو چاہئے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق جو، کھجور، کشمش یا پنیر کی شرح سے فطرہ اور فدیہ ادا کریں۔ ایک قسم توڑنے کا کفارہ اگر نقد رقم کی صورت میں ادا کرنا ہو تو دس فطروں کے برابر ہے اور ایک روزے کا کفارہ اس شخص کے لئے جس میں دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو ساٹھ فطروں کے برابر ہے اور قضا بھی لازم ہے۔

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے

سوال: زکوٰۃ کی طرح صدقۂ فطر بھی صاحبِ نصاب پر واجب ہے، یا ہر مسلمان پر واجب ہے؟۔ موجودہ مہنگائی کے دور میں مشاہدہ ہے کہ بعض سفید پوش گھرانے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے رقم نہیں رکھتے، تو کیا ایسے لوگوں پر بھی صدقۂ فطر واجب ہوگا؟، اگر واجب ہے تو کیا بعد میں رقم آنے پر اُن پر اُس کی قضا لازم ہوگی؟۔

جواب: صدقۂ فطر کا نصاب بھی وہی ہے، جو زکوٰۃ کا ہے یعنی جس شخص کے پاس 87.48 گرام سونا یا 612.36 گرام چاندی یا اُس کے مساوی رقم جو اس کی حاجتِ اصلیہ کے علاوہ ہو، اُس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے نصاب پر سال گزرنا یا سال بھر صاحبِ نصاب رہنا شرط نہیں کیونکہ صدقۂ فطر شخص پر واجب ہوتا ہے مال پر نہیں۔ ہر صاحبِ نصاب پر اس کی زیرِ کفالت افراد کا صدقۂ فطر ادا کرنا بھی واجب ہے، اس سے وہ افراد مراد ہیں جو اپنی کفالت میں اس کے محتاج ہیں جیسے نابالغ اولاد یا مجنون اولاد۔ صدقۂ فطر نمازِ عید سے قبل ادا کرنا افضل ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس عید الفطر کے دن یعنی یکم شوال المکرم کو طلوعِ فجر کے وقت وقتی ضرورت سے زائد کم از کم زکوٰۃ کے نصاب کے برابر رقم نہیں ہے، تو اُس پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہوگا اور نہ ہی اُس پر بعد میں اُس کی قضا واجب ہوگی۔ ہاں! اگر عید الفطر یعنی یکم شوال المکرم کو صاحبِ نصاب ہوتے ہوئے فطرہ ادا نہ کیا ہو تو جب تک اُسے ادا نہ کیا جائے، ساقط نہیں ہوتا۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے قرض لیا جا سکتا ہے

سوال: صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے قرض لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟۔

جواب: صدقۂ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے، لیکن صدقۂ فطر کے وجوب کے لئے نصاب پر

سال گزرنا یا سال بھر صاحبِ نصاب رہنا شرط نہیں ہے۔ نصابِ شرعی کی مقدار 612.36 گرام چاندی یا اُس کی رائج الوقت قیمت کے مساوی نقد رقم ہے جو اس کی بنیادی ضرورت سے زائد ہو۔

سونے کا نصاب اس وقت معتبر ہے جب کسی کے پاس صرف سونا ہو، اگر کچھ سونا ہے مثلاً ایک یا دو تولے اور کچھ چاندی یا کچھ رقم ہے تو پھر پوری مالیت نکالی جائے گی اور چاندی (یعنی 612.36 گرام چاندی کی موجودہ قیمت) کا نصاب معتبر ہوگا۔ اگر عید الفطر کے دن یعنی یکم شوال المکرّم کو وقتی ضرورت سے زائد کم از کم نصابِ زکوٰۃ کے برابر رقم نہیں ہے تو ایسے شخص پر فطرہ واجب نہیں ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے قرض لینے کی حاجت نہیں ہے۔ ایسا شخص جو صاحبِ نصاب نہیں، اُس پر فطرہ ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ وہ صدقۂ فطر لینے کا استحقاق رکھتا ہے، اگر سب ہی فطرہ دینے والے ہوں تو لینے والا کون ہوگا؟۔ مفلس شخص اگر چہ مُکلّف نہیں رہے لیکن اگر قرض لے کر فطرہ ادا کیا ہو تو فطرہ ادا ہو جائے گا۔ مالدار شخص اگر کسی سبب سے اُس وقت فطرہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو چونکہ اُس پر فطرہ واجب ہے، لہٰذا اُس پر لازم ہے کہ قرض لے کر فطرہ ادا کرے۔

نمازِ عید کا طریقہ:

نمازِ عید عام نمازوں کی طرح ہے، صرف اس میں چھ زائد تکبیریں ہیں، تین زائد تکبیریں پہلی رکعت میں ثنا کے بعد اور قراءت شروع کرنے سے پہلے امام کے ساتھ کہی جائیں گی، پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جائیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لئے جائیں اور تین زائد تکبیریں دوسری رکعت میں قراءت کے اختتام پر اور رکوع میں جانے سے پہلے امام کے ساتھ کہی جائیں اور تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جائیں، پھر امام کے ساتھ رکوع کی تکبیر کہہ کر بغیر ہاتھ اُٹھائے رکوع میں چلے جائیں، نماز کے بعد دو خطبے پڑھنا اور سننا سنّت ہے۔ نمازِ عیدین کے لئے جاتے ہوئے اور واپس گھر لوٹتے ہوئے یہ تکبیرات کہنا سنّت ہے:

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"

مستحب یہ ہے کہ عید گاہ کی طرف ایک راستے سے جائیں اور دوسرے راستے سے واپس آئیں۔

نوٹ: عید کی زائد تکبیرات میں سے بھولے سے کوئی تکبیر امام سے رہ جائے جو مجمعِ کثیر کی رعایت اور عُسر کی بنا پر سجدۂ سہو ترک کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اہلِ خیر سے اپیل

دارالعلوم نعیمیہ اہلسنت و جماعت کی مرکزی دینی جامعہ ہے۔ اس کی خدمات کا دائرہ پاکستان اور بیرونِ ملک پھیلا ہوا ہے۔ دارالعلوم نعیمیہ میں الشہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ (مساوی ایم۔اے عربی واسلامیات) کے درجے تک مستحق طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی ہے اور ادارہ ان کے جملہ مصارف (تعلیم وتربیت، کتب، لباس، علاج، طعام اور باوقار رہائش) کی کفالت کرتا ہے۔ ہمارے ادارے میں کمپیوٹر کی تعلیم اور میٹرک تک عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ ادارہ پانچ سو طلبہ کا کفیل ہے۔ دارالعلوم نعیمیہ میں ''تخصص فی الفقہ والافتاء'' کا شعبہ بھی قائم ہے، جہاں جید اور لائق فارغ التحصیل علماء کرام کو ''افتاء'' کا باقاعدہ نصاب بھی پڑھایا جاتا ہے اور افتاء کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور ان زیرِ تربیت مفتیانِ کرام کو قیام وطعام کے تمام مصارف کے علاوہ دو ہزار روپے ماہانہ نقد وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

ہمارے مصارفِ جاریہ تقریباً دس لاکھ روپے ماہانہ ہیں اور تعمیر اور عمارت کی مرمت ونگہداشت کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ حالیہ سالوں میں دینی اداروں کے یوٹیلیٹی بلز (بجلی، گیس وغیرہ) کے مصارف بھی بہت بڑھ چکے ہیں اور مستقبلِ قریب میں ان میں بہت اضافے کا امکان ہے۔ دارالعلوم نعیمیہ کا شعبۂ تصنیف وتالیف برصغیر پاک وہند میں الحمدللہ سب سے ممتاز ہے اور تفسیر، شرحِ حدیث، افتاء اور دیگر شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ دارالعلوم نعیمیہ کے شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہم العالی کی تفسیر تبیان القرآن بارہ ضخیم مجلّدات، شرح صحیح مسلم ضخیم مجلّدات اور نعمت الباری (شرح صحیح بخاری) کی 8 ضخیم مجلّدات طبع ہو چکی ہیں، نویں اور دسویں جلد زیرِ طبع ہیں اور بقیہ مجلّدات پر کام جاری ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز بارہ تا پندرہ ضخیم مجلّدات میں اس کی تکمیل ہوگی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ انہیں مختلف اَمراض وعوارض سے صحت کاملہ عطا فرمائے۔ پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن کے جاری کردہ فتاویٰ کی چھ مجلّدات طبع ہو چکی ہیں اور ساتویں اور آٹھویں مجلّدات زیرِ طبع ہیں۔ تفسیر سورۃ النساء بھی طبع ہو چکی ہے۔ پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی سرپرستی میں ''گلوبل شریعہ فاؤنڈیشن'' قائم ہو چکی ہے اور ان شاء اللہ العزیز عالمی سطح پر اس کا نیٹ ورک قائم کیا جائے گا اور ''المنیب شریعہ اکیڈمی'' کے تحت اسلامک بینکنگ اور اسلامک تکافل کے کورسز کا کامیاب آغاز ہو چکا ہے۔ میڈیا کی سطح پر بھی ہمارے ادارے کی وقیع خدمات ہیں، قوانین حدود اور ناموسِ رسالت کے مسئلے پر

مفتی منیب الرحمٰن نے تقریباً تمام ٹیلیویژن چینلز پر مخالفین سے علمی مناظرے اور مباحثے کیے اور اخبارات میں مُدلّل ومُفصّل مضامین شائع کیے۔ الحمدللہ جرأت واستقامت کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دینِ اسلام کی ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

اہلِ خیر سے اپیل ہے کہ ان تمام دینی کاموں کو جاری وساری رکھنے کے لئے زکوٰۃ، صدقات، فطرہ، فدیہ، کفارات ونذر کی رقوم اور عطیات کے ذریعے دارالعلوم نعیمیہ کی مدد فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ دارالعلوم نعیمیہ کے مستحق طلبہ کی عمارت کے بعض تعمیری مراحل ابھی باقی ہیں ایک نئے ونگ کی تعمیر کا منصوبہ ہے جس کا تخمینہ تقریباً دو کروڑ روپے ہے، اس شعبے میں خصوصی تعاون کی درخواست ہے۔ دارالعلوم نعیمیہ میں ہر سال اجتماعی قربانی کا اہتمام ہوتا ہے اور الحمدللہ سارے انتظامات حصہ داروں کے اطمینان اور شریعت کے مطابق بروقت انجام پاتے ہیں۔

آن لائن عطیات کے لئے:

Darul Uloom Naeemia Trust CD A/C No. 08780005001103
HBL Dastagir Colony Branch,Karachi ,Pakistan.

آپ کے تعاون کا طلبگار
پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن
مہتمم دارالعلوم نعیمیہ، کراچی

E-Mail:muftinaeemia@yahoo.com / mufti@naeemia.com
ph:92-21-36314508,36324236 Fax:92-21-36376888

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

کی علمی، تحقیقی اور وقیع تصانیف

☆

تفہیم المسائل (6 مجلّدات مطبوعہ، جلد ہفتم زیرِ طبع)

☆

تفسیر سورۃ النساء

پبلیشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور/کراچی

☆

زکوٰۃ

معنی ومفہوم، فضائل وتفصیلی احکام

☆

اسلامیات

(برائے: انٹرمیڈیٹ، بی۔اے، بی۔ایس۔سی، بی۔کام)

دار العلوم نعیمیہ کے شعبۂ تصنیف وتالیف کے علمی و تحقیقی شاہکار

تصانیف علامہ غلام رسول سعیدی

☆ تفسیر تبیان القرآن (14 مجلّدات مع اشاریہ) ☆ شرح صحیح مسلم (9 مجلّدات مع اشاریہ)

☆ نعمۃ الباری (8 مجلّدات مطبوعہ، 2 مجلّدات زیرِ طبع، 5 مجلّدات زیرِ تصنیف)

☆ تذکرۃ المحدّثین ☆ توضیح البیان ☆ مقام ولایت ونبوت ☆ توضیح البیان

تصانیف پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

☆ تفہیم المسائل (6 مجلّدات مطبوعہ، جلد ہفتم زیرِ طبع) ☆ تفسیر سورۃ النساء

☆ زکوٰۃ: معنی ومفہوم، فضائل ومسائل ☆ اصول فقہ اسلام

☆ اسلامیات (برائے: انٹرمیڈیٹ) ☆ اسلامیات (برائے ڈگری کلاسز)